کُلّیاتِ مکاتیبِ اقبال

جلد اوّل

یعنی

شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمتہ
کے تمام اردو اور انگریزی خطوط کا مجموعہ
تاریخی ترتیب اور ضروری تعلیقات و حواشی کے ساتھ

مرتبہ

سیّد مظفر حسین برنی

اردو اکادمی، دہلی

اب تک بھی ان کی کوئی نہ کوئی غیر مطبوعہ تحریر سامنے آتی رہتی ہے۔ اردو میں آسان اور سائنٹفک نثر کی بنیاد سرسیّد احمد خاں نے رکھی تھی۔ اگرچہ ابتدا میں وہ بھی مرصع نگاری کے دلدادہ تھے انھوں نے ۱۸۴۷ء میں دہلی کی تاریخی عمارتوں پر اپنی کتاب 'آثار الصنادید' شائع کی تو اس کا چوتھا باب' جس میں اہل دہلی کے حالات ہیں۔ مولانا امام بخش صہبائی سے لکھوایا تھا بعد کو مغربی ادبیات سے بالواسطہ تاثر نے انھیں سہل نویسی کی اہمیت کا احساس دلایا تو انھوں نے اس کی عبارت کو آسان بنایا۔ سرسیّد نے اردو نثر کو عام فہم بنانے اور علمی زبان کا رتبہ دینے کے لیے جو کوشش کی اُسے باقاعدہ ایک تحریک کہا جا سکتا ہے' ان کے ہم نواؤں میں شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاءاللہ، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک جیسی بلند مرتبہ شخصیات شامل تھیں۔ محمد حسین آزاد نے بھی شاید سرسیّد تحریک سے بالواسطہ اثر قبول کیا ہو' یہ سب حضرات اردو نثر کے بنیاد گزاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے خطوط بھی دستیاب ہیں' اور ان میں کہیں تصنع یا آورد نہیں ہے، سیدھا سادہ اظہار مطلب ہے۔ علامہ اقبال بھی اسی گروہ سے ذہنی وابستگی رکھتے ہیں۔ ان کے معاصرین میں اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی عبدالماجد دریا بادی وغیرہ بھی اپنے خطوط میں آسان اور علمی نثر لکھتے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد نے 'غبار خاطر' لکھ کر اس علمی نثر کو ادبی رنگ و آہنگ بھی دے دیا۔ اور یہ کتاب اردو نثر میں ایک سنگِ میل بن گئی۔ نیاز فتح پوری نے مولانا آزاد کے اسلوب سے توانائی اور شبلی کے اندازِ بیان سے شگفتگی حاصل کی ہے۔ اُن کے خطوط "مکتوبات نیاز" دو جلدوں میں شائع ہوئے تھے جن میں اکثر کے مکتوب الیہم یا فرضی ہیں یا غیر معلوم ہیں۔

نوٹ: مولانا امام بخش صہبائی، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، نواب وقار الملک، اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سید سلیمان ندوی اور عبدالماجد دریا بادی بہ نوٹ حواشی مکتوبات میں ملاحظہ ہوں۔

پہلا مجموعہ "شادِ اقبال" ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے شائع کیا تھا جس میں مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ کے نام علامہ کے انچاس (۴۹) خطوط تھے، لیکن ۱۹۷۳ء میں شادؔ کے موسومہ پچاس (۵۰) خطوط اور مل گئے۔ اقبال نے بعض علمی مسائل پر مولانا انور شاہ کشمیری سے بھی استفسارات کیے تھے خصوصاً جس زمانے میں وہ اپنے لیکچرز لکھ رہے تھے، مگر حیرت ہے کہ مولانا کشمیری کے نام اقبال کا صرف ایک خط دستیاب ہوتا ہے، جو "اقبال نامہ" میں شامل ہے۔

(۵) اقبال خط کا جواب لکھنے میں بہت مستعد تھے۔ عموماً فوراً جواب لکھتے تھے، بیماری اور معذوری کے زمانے میں دوسروں سے لکھواتے تھے، لیکن خط لکھنے میں اُن کے ہاں کوئی اہتمام یا تصنع مطلق نہیں تھا۔ خطوط کی عبارت بھی عموماً بے تکلف ہے، سیدھے سادے الفاظ میں اپنا مطلب بیان کرتے ہیں، شدید رنج یا خوشی میں بھی اپنے جذبات کا بے محابا اظہار نہیں کرتے۔ مثلاً اپنے عزیز ترین دوست سر راس مسعود کے انتقال کی اطلاع پاتے ہی اُن کے سکریٹری جناب ممنون حسن خاں کو یوں لکھا:

"سخت پریشان ہوں، مفصل حالات سے مجھے آگاہ کیجیے۔ میرے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہے" (۳۱ر جولائی ۱۹۳۷ء)

لیڈی راس مسعود کو تعزیت کے خط میں لکھتے ہیں:

"میں آپ کو صبر و شکر کی تلقین کیوں کر کروں، جب کہ میرا دل تقدیر کی شکایتوں سے خود لبریز ہے، مرحوم سے جو میرے قلبی تعلقات تھے اُن کا حال آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، اس بنا پر میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک زندہ ہوں آپ کے دکھ درد میں شریک ہوں۔"

(یکم اگست ۱۹۳۷ء)

اپنی اہلیہ (والدہ جاوید اقبال) کے انتقال پر سید نذیر نیازی

یک جا کر دیے گئے ہیں۔

"کلیاتِ مکاتیبِ اقبالؒ کی ترتیب و تدوین میں اُمورِ ذیل کا خاص طور سے دھیان رکھا گیا ہے۔

(الف) تمام خطوط کو تاریخی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔ جن خطوط کی تاریخیں پچھلے مجموعوں میں غلط چھپ گئی تھیں، بعد میں کی جانے والی تحقیق کی روشنی میں ان کی تاریخ درست کر لی گئی ہے۔ بعض خطوط پر تاریخ درج نہیں تھی۔ ان کا زمانہ اندرونی اور بیرونی شہادتوں کی روشنی میں ہم نے متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی ہیں جن پر تاریخ نہیں ہے اور دوسرا کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس سے زمانۂ کتابت متعین کرنے میں مدد مل سکے۔ ایسے بلا تاریخ خطوط چوتھی جلد کے آخر میں یک جا کر دیے گئے ہیں۔

(ب) ہر جلد میں جن مکتوب الیہم کے نام لکھے ہوئے خطوط آئے ہیں یا جن کا حوالہ خطوط کے متن میں آیا ہے ہم نے ان کے بارے میں ضروری سوانحی خاکے بھی کسی تناسب سے فراہم کر دیے ہیں۔ اور کوشش یہ کی ہے کہ حاشیہ ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہو اور اقبال و اقبالیات سے اُس کا ربط بھی، خواہ وہ خفی ہی کیوں نہ ہو، واضح کر دیا جائے مثلاً اقبال کے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کے بارے میں عام قاری کو زیادہ معلومات نہیں ہیں، تو ہم نے حاشیہ قدرے مفصّل لکھا ہے۔ مغربی شعرا، اُدبا اور مفکرین پر بھی زیادہ وضاحت سے اِس لیے لکھا ہے کہ اُردو کے قاری کے لیے سُود مند ہو۔ البتہ دیباچہ میں جن ادیبوں کے نام آئے ہیں اُن پر مختصر نوٹ لکھنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض شخصیات پر ہمارے پیش رو جامعینِ مکتوبات (محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی) مفید حواشی لکھ چکے ہیں، ہم نے کہیں اِن حضرات کے لکھے ہوئے حواشی اور تعلیقات کو برقرار رکھا ہے کہیں اُن میں ترمیم بھی کی ہے اور بعض حالات میں کچھ اضافے کیے ہیں، اِن حضرات کا نام وہیں ظاہر کر دیا گیا ہے جہاں اُن سے اخذ کیا گیا ہے۔ حواشی کی بڑی تعداد خود

۱۹۔ مظلوم اقبال۔ مرتبہ شیخ اعجاز احمد۔ اس میں علامہ اقبال کے برادر زادے شیخ اعجاز احمد کے موسومہ ایک سو تین (۱۰۳) خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کی اصلیں اقبال میوزیم پاکستان کو دے دی گئی ہیں۔ شیخ اعجاز احمد نے ان کی وضاحتیں بہت تفصیل سے لکھی ہیں۔ مگر بعض خطوط سے عبارتوں کو حذف بھی کر دیا ہے۔ (سالِ اشاعت ۱۹۸۵ء کراچی تعداد صفحات ۳۷۷) بعد میں یہ خطوط مع حذف شدہ حصّوں کے مجلّہ ماہنامہ "شاعر" بمبئی کے "اقبال نمبر" (جلد اول) (جنوری تا جون ۱۹۸۸ء) میں شائع ہو گئے ہیں۔

ان مجموعوں کے علاوہ خاصی قابلِ لحاظ تعداد ان خطوط کی ہے جو متفرق کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں، یا وقتاً فوقتاً دریافت ہو کر مجلّات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ اس طرح اقبال کے جو اردو انگریزی مکتوبات اب تک دستیاب ہوئے ہیں ان کی تعداد لگ بھگ چودہ سو پچاس (۱۴۵۰) ہوتی ہے۔ ان میں کچھ خطوط ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، جو پہلی بار اس کلیات میں شامل ہو رہے ہیں۔ انگریزی خطوط کی تعداد تقریباً سوا سو (۱۲۵) ہے جن کا ترجمہ شاملِ کلیات ہے۔ جرمن زبان میں سترہ (۱۷) خطوط ہیں۔

مطالعۂ اقبالیات کے دوران اکثر شدّت سے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے نیز ان کی شاعری کا فکری پس منظر جاننے کے لیے خطوطِ اقبال کا مطالعہ ازبس مفید ہے اور یہ مطالعہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک ان سب خطوط کو یکجا کر کے تاریخی ترتیب اور ضروری حواشی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے۔ خطوط کے مختلف مجموعے اس سے پہلے بھی تاریخی ترتیب کے ساتھ پیش ہوئے ہیں، مگر کلیاتِ مکاتیب کو زمانی تسلسل سے پیش کرنے کی یہ کوشش اردو میں یقیناً پہلا قدم ہے۔ اقبال کے سوا مرزا غالب کے خطوط بھی بڑی تعداد میں ملتے ہیں اور وہ متعدد بار چھپے بھی ہیں مگر غالب کے تمام خطوط کو بھی تاریخی ترتیب (CHRONOLOGICAL ORDER) میں ابھی

انداز تحسین سے میل نہیں کھاتے۔

مگر ان شکوک کی بنیاد مضبوط نہیں ہے اور شیخ اعجاز احمد صاحب بھی تصدیق کرتے ہیں کہ لمعہ سے اقبال کی مراسلت تھی۔ لمعہ اقبال کو کتابیں بھی بطور ہدیہ بھیجا کرتے تھے۔ جس میں سے دو ایک کتابیں شیخ اعجاز احمد صاحب کے پاس تاحال محفوظ ہیں۔ اقبال نے ۲۰ رفروری ۱۹۳۵ء کو بھوپال سے بھی ایک خط عباس علی خاں لمعہ کو لکھا تھا۔

ابھی تک اقبال سے منسوب کوئی تحریر سراسر جعلی ثابت نہیں ہوسکی ہے۔

(ط) ہر خط کے آخر میں اس کے ماخذ کا حوالہ دے دیا گیا ہے۔ بعض حالات میں ایک سے زیادہ ماخذ میں وہ خط ملتا ہے یا بہت کثرت سے نقل ہوتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ مصادر کے حوالے بھی دیے ہیں لیکن سب مصادر کا احاطہ کرنا ممکن نہ تھا اور مفید بھی نہ سمجھا گیا۔

(ی) خطوط میں جہاں کہیں آیات، احادیث، مقولے یا فارسی اشعار آئے ہیں حتی الامکان اُن کے حوالے تلاش کیے گئے ہیں اور اُن کا ترجمہ بھی عام قاریوں کی سہولت کے لیے درج کردیا گیا ہے۔

(ک) ہم نے اس کلیات میں اقبال کے تمام مطبوعہ خطوط کے علاوہ کچھ غیر مطبوعہ خطوط بھی پہلی بار دیے ہیں اس سلسلے میں خواجہ غلام السیدین مرحوم کی صاحبزادی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید، جناب کے۔ڈی۔ کے سندرم آئی۔سی۔ایس (ریٹائرڈ) اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خاص طور سے شکریہ واجب ہے۔ اقبال کا ایک خط بنام عطیہ فیضی (۱۹۰۷ء) بھی پہلی بار شامل ہو رہا ہے۔

ابھی علامہ اقبال کے بہت سے اور خطوط منظر عام پر آئیں گے اور اس کلیات کے آیندہ ایڈیشنوں میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہے گا۔ میرے عزیز و محترم دوست جناب ممنون حسن خاں صاحب کے پاس کچھ ذاتی خطوط ہیں جن پر علامہ اقبال نے ذاتی یا کانفیڈینشل لکھ دیا ہے وہ کسی طرح منظر عام پر لانے کے لیے آمادہ نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ایک ادیب اور فنکار کی زندگی کھلی ہوئی کتاب ہوتی ہے جس

ی وہ اوپر لکھتے ہیں کبھی آخر میں۔ کبھی تاریخ مع ماہ و سال پوری ہوتی ہے کبھی صرف ۲۹ ر جون لکھیں گے، کبھی سنہ کے پورے اعداد ہونگے اور کہیں صرف سنہ لکھ دیں گے۔ ہم نے اس کا التزام صرف ان خطوط میں کیا ہے جن کی اصلیں یا عکسی نقلیں ہم نے دیکھی ہیں۔ جو خطوط مطبوعہ مآخذ سے نقل ہوئے ہیں ان میں ہم نے ایک طے شدہ معیاری (سٹینڈرڈ) طریقہ کی پیروی کی ہے۔

(د) یہی معاملہ املا کا ہے۔ اردو کا کوئی معیاری املا نہیں ہے۔ پھر بھی صحت سے وہ املا زیادہ قریب ہے جس کے رہنما اصول انجمن ترقی اردو ہند نے تیار کیے تھے۔

علامہ اقبال اکثر الفاظ ملا کر لکھتے ہیں، جیسے۔ آپکا، ملجانی چاہیئے، کرونگا وغیرہ۔ مخلوط آواز کے ہندی حروف وہ اکثر ہائے مختفی سے لکھتے ہیں۔ بہائی (بھائی)، بہلا (بھلا)، لکہنے (لکھنے)، مجہے (مجھے) وغیرہ۔

جہاں ہائے مختفی کا استعمال ہونا چاہیئے وہاں وہ دوچشمی (ھ) استعمال کرتے ہیں۔ جیسے کھا تھا (کہا تھا) وغیرہ۔

دراصل کسی معیاری املا کے بارے میں وہ شعوری کوشش نہیں کرتے بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خط لکھتے ہوئے املا کی طرف اُن کا دھیان جاتا ہی نہ ہوگا۔ بہت غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کے سب خطوط کی اصلیں موجود نہیں ہیں، جو اصلیں (اوریجنل ٹیکسٹ) موجود ہیں اُن کو بجنسہٖ اقبال کے املا میں لکھا جائے تو لامحالہ دوسرے خطوط کو کسی معیاری (سٹینڈرڈ) املا کے ساتھ لکھنا ہوگا اِس طرح متن میں ناہمواری پیدا ہوگی کہ کچھ خطوط اقبال کے اختیار کردہ املا میں ہوں گے اور کچھ ہمارے تجویز کردہ کتابی املا میں ہوں گے۔ اس سے کتاب کی علمی وقعت بڑھنے کی بجائے گھٹ جائے گی۔ لہٰذا ہم نے تمام خطوط میں ایک ہی املا اختیار کیا ہے۔ اگر کہیں املائی اختلاف کے اظہار میں کوئی علمی فائدہ سمجھا تو اُسے حواشی میں ظاہر کر دیا ہے۔

۳۹۔ محسن الملک (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۰۷ء) سلطنت آصفیہ کے معتمد اور مشیر، سرسید کے دست راست، مضمون نگار اور مورخ، اعلیٰ درجہ کے مقرر، مصلح علی گڑھ تحریک کے ستون، اردو کے پرجوش حامی تھے۔

۴۰۔ محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء۔ ۱۹۱۰ء) اردو ادب میں جدید افکار اور اسلوب کے بانی، ادیب، انشا پرداز، مورخ اور علم الالسنہ کے ماہر۔ انھوں نے کرنل ہالرائڈ تحریک پر سب سے پہلے موضوعاتی نظمیں لکھیں اور اردو کو نیچرل شاعری سے روشناس کیا۔ ان کا تذکرہ شعرائے اردو "آبِ حیات" اور فارسی شعرا کا تذکرہ "سخن دانِ فارس" نیز عہد اکبری کی تاریخ "دربار اکبری" زندۂ جاوید کتابیں ہیں۔

۴۱۔ ابو الکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔ ۱۹۵۸ء) جنگ آزادی کے بے مثل مجاہد، جید عالم صحافی، ادیب اور انشا پرداز، شعلہ بیان خطیب، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم، نئے ہندوستان کے قابلِ احترام معمار۔ "ترجمان القرآن" "تذکرہ" اور "غبار خاطر" آپ کی نہایت بلند پایہ تصانیف ہیں۔

۴۲۔ نیاز فتح پوری (۱۸۸۴ء ۱۹۶۶ء) نیاز محمد خاں نام، نیاز تخلص۔ اردو کے صاحبِ طرز انشا پرداز، صحافی اور نقاد۔ ان کی مکتوبات نگاری کا انداز منفرد تھا۔ "گہوارۂ تمدن" "من و یزدان" "شہاب کی سرگزشت" "عرضِ نغمہ" (ٹیگور کی گیتا نجلی کا ترجمہ) "نگارستان" "جمالستان" اور "خطوطِ نیاز" (دو جلدیں) ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

۴۳۔ چودھری محمد علی ردولوی (۱۸۸۰ء۔ ۱۹۵۵ء) ردولی ضلع بارہ بنکی کے زمیندار، اردو کے صاحبِ طرز ادیب، خاص کر مکتوب نگاری میں منفرد۔ شعر و ادب کے علاوہ مطالعۂ مذاہب اور تاریخ سے دل چسپی تھی۔ "کشکولِ محمد علی شاہ فقیر"، "اتالیق بیوی" "یادگار مولوی کرامت حسین" "میرا مذہب" اور خطوط کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا"۔

ترتیبِ اشعار کی خود مجھے فکر[1] ہو رہی ہے۔ مگر یہ خیال ہے کہ ابھی کلام کی مقدار تھوڑی ہے۔ بہرحال جب یہ کام ہوگا تو آپ کے صلاح و مشورے[2] کے بغیر نہ ہوگا۔ مطمئن رہیں۔ ملٹن[3] کی تقلید میں کچھ لکھنے کا ارادہ مدت سے ہے اور اب وہ وقت قریب معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان دنوں وقت کا کوئی لحظہ خالی نہیں جاتا جس میں اس کی فکر نہ ہو۔ پانچ چھ سال سے اس آرزو کو دل میں پرورش کر رہا ہوں مگر جتنی کاوش آج کل محسوس ہوتی ہے اس قدر کبھی نہ ہوئی[4]۔ فکرِ روزگار سے نجات ملتی ہے تو اس کام کو باقاعدہ شروع کروں گا اگر پھر مار شروع کرنے سے پیشتر میں نے اس خیال سے کہ کوئی وہابی[5] اس کے بعض اشعار پر کوئی فتوے نہ دے دے تمہید باتیں تمہید میں بھی کہی تھیں اور ایک غزل بھی کہی تھی جو ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی[6]

منصور کو ہوا لبِ گویا پیامِ موت
اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی

ہو دید کا جو شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

میں انتہائے عشق ہوں تو انتہائے حسن
دیکھے مجھے کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

عذر آفرینِ جرمِ محبت ہے حسنِ دوست
محشر میں عذرِ تازہ نہ پیدا کرے کوئی

چھپتی نہیں ہے یہ نگہِ شوق ہم نشیں!
پھر اور کس طرح انہیں دیکھا کرے کوئی

---

[1] معاصرین: مجھے بھی
[2] ملٹن حواشی ملاحظہ ہوں
[3] معاصرین: مدت سے کچھ لکھنے کا ارادہ ہے
[4] معاصرین: نہیں ہوئی
[5] معاصرین: پیشتر کہ کوئی وہابی۔
[6] یہ غزل بانگِ درا میں شامل ہے۔

مدارس میں پڑھائی گئی ہے۔

۴۴۔ سید نثار علی بخاری بریلوی: سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی امروہوی (ف: ۲ رمضان ۱۱۹۰ھ/۱۰ اکتوبر ۱۷۷۶ء) کے مرید اور خلیفہ۔ فارسی انشا کے ماہر۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ انھوں نے حضرت شاہ عبدالہادی کے حالات و ملفوظات بھی "مفتاح الخزائن" (۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء) کے نام سے لکھے تھے۔ فارسی انشا میں ان کی تالیف "انشاے دلکشا" مطبع نولکشور سے چھپی تھی اور مدارس میں پڑھائی جاتی تھی۔

۴۵ رجب علی بیگ (۱۲۰۱-۱۲۵۴ھ) انیسویں صدی میں اردو کے ممتاز اور صاحب طرز نثر نگار۔ جنھوں نے اردو کو مسجع و مقفیٰ نثر کے دلآویز نمونے دیے۔ "فسانۂ عجائب" ان کی مشہور تصنیف ہے۔

۴۶۔ سر سید احمد خاں (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء): ہندوستانی مسلمانوں کے مصلح اور رہنما۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی، ادیب، مورخ، مفسر، دانشور، مقرر، اردو میں جدید مغربی افکار کے علمبردار۔ تصانیف میں "آثار الصنادید" "خطبات احمدیہ" "مقالاتِ سر سید" وغیرہ اہم کتابیں ہیں۔

۴۷۔ مولوی نذیر احمد (۱۸۳۲-۱۹۱۰ء): اردو کے پہلے ناول نگار۔ جن کا شمار اردو ادب کے عناصرِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ عربی زبان کے بھی زبردست عالم تھے۔ ان کا ترجمہ قرآن عام فہم اور بامحاورہ ہے۔ انڈین پینل کوڈ کا بھی ترجمہ "تعزیراتِ ہند" ان کا کیا ہوا ہے۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں "توبۃ النصوح" اور "ابن الوقت" مشہور ہیں۔

۴۸۔ مولوی ذکاء اللہ (۱۸۳۲-۱۹۱۰ء) مشہور ادیب، ریاضی داں، ماہر تعلیم، کثیر التصانیف۔ ان کی تصانیف تقریباً ۱۴۷ بتائی جاتی ہیں۔ جن میں "تاریخ ہندوستان" (۸ جلدیں) بہت قابل قدر ہے۔

انگلستان نے بتدریج اپنے بادشاہوں سے پولٹیکل حقوق حاصل کیے وہ طریق
سب سے عمدہ ہے بڑے بڑے عظیم الشان انقلابوں کا بغیر کشت و خون کے ہو جانا
یہ کچھ خاکِ انگلستان ہی کا حصّہ ہے۔ ایک روز سرِ شام میں اور یہ حرکتِ ثقلین

بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکولوں کی گراونڈ میں مسلمان طلبا کرکٹ
کھیل رہے تھے۔ ہم نے اُن سے ایک کو بلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں
اس سے دریافت کیں۔ میں نے اس طالب علم سے پوچھا کہ انجمنؒ اس اسکول کو کالج کیوں نہیں
بنا دیتی۔ کیا فنڈ نہیں ہے یا اور کوئی وجہ ہے اس نے جواب دیا کہ فنڈ تو موجود
ہے اور اگر ضرورت ہو تو ایک آن میں موجود ہو سکتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے یہاں
بڑے بڑے متموّل سوداگر موجود ہیں، مگر مشکل یہ ہے کہ مسلمان طلبا،
پڑھنے کے لیے نہیں آتے اس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجود ہیں اور جیسی
تعلیم ان میں ہوتی ہے ویسی سردست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے یہ جواب سن کر
میں بہت خوش ہوا میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مسلمانوں کا کالج ضرور ہو گا
کیونکہ یہاں کے مسلمان تموّل میں کسی اور قوم سے پیچھے نہیں ہیں لیکن یہاں
آکر معلوم ہوا کہ تموّل کے ساتھ اُن میں عقل بھی ہے ہم پنجابیوں کی طرح احمق
نہیں ہیں۔ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع نقصان پر ہر پہلو سے غور
کر لیتے ہیں۔

غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجب شہر ہے۔ بازار کشادہ، ہر طرف
پختہ سر بفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے۔
بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے
یہاں ہر چیز مل سکتی ہے یورپ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً ملیگی

ؒ یہ غالباً انجمن اسلام بمبئی کے مدرسہ کی بات ہے جو آج بھی وی ٹی اسٹیشن کے بالمقابل موجود ہے اور اب کالج بن چکا ہے

بالذات ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی یعنی فراغت۔
یہاں پارسیوں کی آبادی اسی نوے ہزار کے قریب ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے
کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے اس قوم کی صلاحیت نہایت قابل تعریف ہے۔
اور ان کی دولت و عظمت بے اندازہ۔ مگر اس قوم کے لیے کسی اچھی فیوچر FUTURE کی
پیشین گوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں
ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے
علاوہ اس کے نہ کوئی ان کی زبان ہے نہ ان کا لٹریچر ہے اور طرہ یہ کہ فارسی کو حقارت
اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں۔
ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے
بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ و ریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دارومدار
ہے میں نے اسکول کے پارسی لڑکوں اور لڑکیوں کو بازار میں پھرتے دیکھا۔ چستی کی
مورتیں تھیں مگر تعجب ہے کہ ان کی خوبصورت آنکھیں اسی فی صدی کے حساب سے
عینک پوش تھیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عینک پوشی پارسیوں کا قومی فیشن
ہوتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے قومی ریفارمر اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتے اس شہر
کی تعلیمی حالت عام طور پر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے ہمارے ہوٹل کا حجام ہندوستان کی
تاریخ کے بڑے بڑے واقعات جانتا تھا۔ گجراتی کا اخبار ہر روز پڑھتا تھا اور جاپان اور روس
کی لڑائی سے پورا باخبر تھا نوروجی دادا بھائی کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا میں نے اس
سے پوچھا، نوروجی انگلستان میں کیا کرتا ہے؟ بولا "ہم کالوں کے لیے لڑتا ہے" ہوٹل
کے نیچے مسلمان دکاندار ہیں میں نے دیکھا ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے میں نے
ایک روز ان سے پوچھا تم اردو پڑھ سکتے ہو کہنے لگے نہیں سمجھ سکتے ہیں پڑھنا نہیں
جانتے۔ میں نے پوچھا کہ جب مولوی تمہارے نکاح پڑھاتا ہے تو کون سی زبان بولتا
ہے مسکرا کر بولا "اردو" یہاں پر ہر کوئی اردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے ہمارے
ہوٹل کا سیٹھ (وہی ہوٹل والا پیر مرد) کبھی ہندوستان نہیں گیا مگر اردو خاصی بولتا تھا۔

ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقل مند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں۔ شاباش افیمیو شاباش! نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ ابھی تم آنکھیں ہی مل رہے ہو کہ اس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے ہاں ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو از سر نو قائم کرنے میں تمہاری مدد کر سکیں گے ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے۔ ہمارے ملک میں محبت اور مروت کی بو باقی نہیں رہی ہم اُس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اُس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں! مولوی صاحب! میں بے اختیار ہوں۔ لکھنے تھے سفر کے حالات اور بیٹھ گیا ہوں وعظ کرنے کیا کروں؟ اس سوال کے متعلق تاثرات کا ہجوم میرے دل میں اس قدر ہے کہ بسا اوقات مجھے مجنون سا کر دیا اور کر رہا ہے۔

ایک شب میں کھانے کے کمرے میں تھا کہ دو جنٹلمین میرے سامنے آ بیٹھے شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یوریبن ہیں فرانسیسی میں باتیں کرتے تھے آخر جب کھانا کھا کر اُٹھے تو ایک نے کرسی کے نیچے سے اپنی ترکی ٹوپی نکال کر پہنی جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی ترک ہے میری طبیعت بہت خوش ہوئی اور مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ کس طرح ان سے ملاقات ہو، دوسرے روز میں نے خواہ مخواہ باتیں شروع کیں یورپ کی اکثر زبانیں سوائے انگریزی کے جانتا تھا میں نے پوچھا فارسی جانتے ہو۔ بولا بہت کم۔ پھر میں نے فارسی میں اس سے گفتگو شروع کی۔ لیکن وہ نہ سمجھتا تھا آخر بمجبوری ٹوٹی پھوٹی عربی میں اس سے باتیں کیں۔

لہ ~ گراں خواب چینی سنبھلنے لگے ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے (بالِ جبریل)

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے انہیں لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے ایک نوجوان مصری دکاندار سے میں نے سگریٹ خریدنے چاہے اور باتوں باتوں میں میں نے اُس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں، مگر چونکہ میرے سر پر انگریزی ٹوپی تھی اُس نے ماننے میں تامل کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اُردو بولتا تھا، جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا "تم بھی مسلم ہم بھی مسلم" تو مجھے بڑی مسرت ہوئی، میں نے اسے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے کیا اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مسلمان کی داڑھی منڈی ہو تو اُس کو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیئے ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہو گی۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروج ہو جاتا تاکہ ہمارے دوست موسمی علماء کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہوا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا، اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاءاللہ، ماشاءاللہ کہنے لگے اور میری غرضِ سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے، یا یوں کہیئے کہ دو چار منٹ کے لیے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہونچے۔

تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اُن کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سکنڈ کے لیے علی گڈھ کالج کے ایک ڈیپوٹیشن کا شبہ ہوا لیکن

اور مجھ کو جب بلاتے ہیں تو ٹالسٹائی کے نام سے۔ کل مجھ سے پوچھتے تھے تم ہندوستان کا ٹالسٹائی بننا چاہتے ہو۔ میں نے جواب دیا ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں ہے۔ زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے، تب جا کر کہیں ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے کوئٹہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بڑے باخبر آدمی معلوم ہوتے ہیں کل رات اُن سے ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی عربی اور فارسی جانتے ہیں۔ سر ولیم میور تصانیف کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہنے لگے

کاش یہ شخص ذرا کم متعصب ہوتا۔ عمر خیام کے بڑے مداح ہیں مگر میں نے ان سے کہا کہ اہل یورپ نے ابھی سحابی نجفی کی رباعیات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ عمر خیام کو کبھی کے فراموش کر گئے ہوتے۔

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا ساحل عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منوّر کروں:

اللہ رے خاکِ پاکِ مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو اُدھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین، تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی! باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروا نہ کی۔ مگر اے پاک سرزمین، تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تاکہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقشِ قدم دیکھے

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

نیا جہاں کوئی اے شمع ڈھونڈیے کہ یہاں
ستم کشِ تپشِ ناتمام کرتے ہیں

عجب تماشا ہے مجھ کافرِ محبت کا
صنم بھی سُن کے جسے رام رام کرتے ہیں

ہُوا جہاں کی ہے بیکار آفریں کیسی
کہاں عدم کے مسافر قیام کرتے ہیں

نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں

رہینِ لذتِ ہستی نہ ہو کہ مثلِ شرار
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں

بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
کہ خوش نواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

غرض نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری ہستی سے
نظامِ دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں

شہ یہ اشعار بانگِ درا میں مشمولہ غزل میں موجود نہیں ہیں۔

ناچنے لگا۔ یہ بیچاری دوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

جہاز سے گزرتے ہوئے ایک اور دلچسپ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ ہم نے ایک مصری جہاز گذرتے ہوئے دیکھا جو بالکل ہمارے ہی پاس سے ہو کر گذرا۔ اس پر تمام سپاہی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور نہایت خوش الحانی سے عربی غزل گاتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ ایسا پُر اثر تھا کہ اس کی کیفیت اب تک دل پر باقی ہے۔

ابھی ہم پورٹ سعید نہ پہونچے تھے کہ ایک بارود سے بھرے ہوئے جہاز کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جانے کی خبر آئی۔ تھوڑی دیر میں اس کے ٹکڑے کنال سے گذرتے ہوئے دکھائی دیے۔ جان و مال کا بے اندازہ نقصان ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے ہماری طبیعت اس مصیبت پر بہت متاثر رہی۔

پورٹ سعید پہونچ کر پھر مسلمان تاجروں کی دکانیں تختۂ جہاز پر لگ گئیں۔ میں ایک کشتی پر بیٹھ کر مع پارسی ہم سفر کے بندرگاہ کی سیر کو چلا گیا۔ پورٹ سعید جہازوں کو کوئلہ مہیا کرنے والے بندرگاہوں میں سب سے بڑا ہے اور سعید پاشا کے نام سے مشہور ہے جس نے سویز کنال بنانے کی اجازت دی تھی۔ عمارات کا نظارہ نہایت ہی خوبصورت ہے اور شہر چھوٹی ہوتی بھی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ یہ کبھی دنیا کے تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہوگا۔ مدرسہ دیکھا، مسجدوں کی سیر کی۔ اسلامی گورنر کا مکان دیکھا موجد سویز کنال کا مجسمہ دیکھا۔ غرض کہ خوب سیر کی، یہاں کے مدرسے میں عربی اور فرانسیسی پڑھاتے تھے، جس حصّے میں انگریز آباد ہیں وہ حصّہ خصوصیت سے خوبصورت اور پاکیزہ ہے لیکن افسوس ہے کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہ جگہ بہت میلی ہے۔ یہودی، فرانسیسی، انگریز، یونانی، مسلمان غرضکہ دنیا کی تمام اقوام یہاں آباد ہیں۔ سب کے محلے جُدا جُدا ہیں ہوٹل بھی جُدا جُدا ہیں اور گرجے بھی، شہر کی سیر کر کے پورٹ آفس میں آیا، ملازم قریباً سب مسلمان ہیں اور خوب

اور کچھ اس خیال سے کہ زیادہ تعویق مناسب نہ ہوگی۔

(۲) سیاسی حقوق کے حصول کی دوسری بڑی شرط کسی ملک کے افراد کے اغراض کا متحد ہونا ہے اگر اتحادِ اغراض نہ ہوگا تو قومیت پیدا نہ ہوگی اور اگر افراد قومیت کے شیرازے سے ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ نہ ہوں گے تو نظامِ قدرت کے قوانین ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں گے۔ قدرت کسی خاص فرد یا مجموعۂ افراد کی پروا نہیں کرتی۔

مگر رونا تو اس بات کا ہے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے ہیں اور عملی زندگی اس قسم کی اختیار نہیں کرتے جس سے اُن کے اندرونی رجحانات کا اظہار ہو۔ ہم کو قال کی ضرورت نہیں ہے خدا کے واسطے حال پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ مذہب دنیا میں صلح کرانے کے لیے آیا ہے نہ کہ جنگ کی غرض سے۔

میری رائے میں اس تحریک کی کامیابی سے مسلمانوں کو ہر طرح فائدہ ہے۔ ایک صاحب نے کسی اخبار میں یہ خط چھپوایا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ عام طور پر مسلمان زراعت پیشہ ہیں اُن کا یہ ارشاد شاید پنجاب کی صورت میں صحیح ہو، تاہم یہ کہنا کہ مسلمان زراعت پیشہ ہیں اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کو سودیشی تحریک کی کامیابی سے کچھ فائدہ نہیں ہے اگر مصنوعات سستی ہوں (جو بالآخر اس تحریک کی کامیابی کا نتیجہ ہوگا) تو خریدنے والوں کو بھی فائدہ ہے اور بیچنے والوں کو بھی۔ مسلمان خواہ بیچنے والے ہوں، خواہ خریدنے والے ہر طرح فائدہ میں ہیں۔ ہاں اگر وہ بیچنے والے ہیں تو اُن کو زیادہ فائدہ ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ وہ بائع نہ بنیں۔

(۳) اگر صبر و استقلال سے کام کیا گیا تو اس تحریک میں ضرور کامیابی ہوگی۔ دور اندیشی تمام کامیابی کا راز ہے۔ ایک حد تک تو اس تحریک کے مطابق ملک میں عمل درآمد ہو رہا ہے اس عمل کی توسیع کی ضرورت

ایسی طفلانہ حرکات کر دیتے ہیں جس کا مفید اثر کچھ نہیں ہوتا اور جس کا نقصان دیرپا ہوتا ہے بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ امریکہ اور جرمن کی چیزیں خریدو، مگر انگلستان کی چیزوں کو ہندوستان کے بازاروں سے خارج کر دو۔ مجھ کو تو اس کا اقتصادی فائدہ کچھ نظر نہیں آتا بلکہ اگر انسانی فطرت کے محرّکات پر غور کرو تو اس میں سراسر نقصان ہے اس طریق عمل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان سے ہم کو سخت نفرت ہے نہ یہ کہ ہم کو ہندوستان سے محبت ہے۔ اپنے وطن کی محبت کسی غیر ملک (؟) کے مستلزم نہیں ہے(کذا)۔ علاوہ اس کے اقتصادی لحاظ سے اس میں کچھ فائدہ نہیں ہے۔ مغربی خیالات اور تعلیم کی اشاعت سے اب ہماری ضرورتوں کا احاطہ وسیع ہو گیا ہے اور انہی میں سے بعض اس قسم کے ہیں کہ سردست ہمارا اپنا ملک ان کو پورا نہیں کر سکتا۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ اس طفلانہ فعل سے سوائے اس کے کہ حکام کو خواہ مخواہ بدظن کیا جائے اور کیا فائدہ ہے۔ قطعِ نظر ان تمام باتوں کے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں کہ ہمارا ملک بعض جوالی خصوصیات اور دیگر قدرتی اسباب کے عمل کی وجہ سے ان کو ارزاں نرخ پر تیار ہی نہیں کر سکتا۔ اس بات کی کوشش کرنا کہ ہماری ساری ضرورتیں اپنے ملک کی خصوصیات سے پوری ہو جایا کریں سراسر جنون ہے۔ واقعات کے لحاظ سے دیکھو تو یہ بات کسی ملک کو نہ اب نصیب ہے اور نہ ہو سکتی ہے اور اگر یہ بات ممکن بھی ہو جائے تو اس میں میرے خیال میں بجائے فائدہ کے نقصان ہے جس کی مفصل تشریح اس مقام پر نہیں ہو سکتی۔ سودیشی تحریک کو عملی صورت دینے کے لیے میری رائے میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

(۱) وہ کون سی مصنوعات ہیں جو اس وقت ملک میں تیار ہو رہی ہیں اور ان کی کمیّت اور کیفیت کیا ہے؟

رہوں گا آپ کے حوصلہ افزا خطوط کا شکریہ اور امید ہے کہ ہر قسم کے معاملات میں آپکی دلچسپی برقرار رہے گی۔

آپ کا مخلص

ایس۔ ایم اقبال

(انگریزی سے)　　　　(نوادر)

شاطر مدراسی کے نام

سیالکوٹ شہر ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

مخدومی، السلام علیکم۔ میں ایک دو روز کے لیے لاہور چلا گیا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مبارکباد[1] کا شکریہ قبول کیجیے۔ اعجاز عشق[2] کے چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاءاللہ نہایت بلند پایہ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت شرافت کے ساتھ دولتِ کمال سے بھی مالامال کیا ہے۔ ذلک فضل اللہ یعطیہ من یشاء[3]

میں آپ کی سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں

---

[1] اقبال ولایت سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کر کے ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے مکتوب الیہ نے اس پر مبارک باد کا خط لکھا۔

[2] قصیدۂ اعجاز عشق کتابی صورت میں ۱۹۰۵ء میں مطبع نافع الاسلام مدراس سے شائع ہوا تھا۔

(خطوطِ اقبال)

[3] قرآن حکیم میں اس آیت کی صحیح شکل یہ ہے، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، یہ آیت تین مقامات سورۃ المائدہ ۵۴، سورۃ الحدید ۲۱، اور سورۃ الجمعہ ۴ پر آئی ہے اقبال نے جلدی میں یؤتیہ کو یعطیہ بنا دیا۔ اگرچہ قرآن کا متن نہیں ہے مگر مفہوم اس کا بھی وہی ہے۔

سے بجے چالیس کے قریب تہنیتی، نظمیں دبھیج گئیں۔ جب میں لاہور پہونچا احباب اور قدر دانوں کی جانب سے میرے گلے میں سونے کا ہار ڈال کر استقبال کیا گیا۔ بمبئی سے لاہور اور سیال کوٹ تک ہر اسٹیشن پر ہزارہا لوگ جمع تھے۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے بچے اور بڑے[1] بھی رستے کے اسٹیشنوں پر[2] میری نظمیں گا رہے تھے۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ جب میں گھر پہنچا تو میرے والدین بالکل صحت مند تھے۔ میری بہنیں اور والدہ بڑی مسرور ہیں کہ اب میں اُن سے آن ملا ہوں۔

میں اب لاہور میں ہوں۔ اور یہاں ایڈووکیٹ کے طور سے کام کر رہا ہوں۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ میں کبھی آپ کے خوبصورت وطن کو بھول سکوں، جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور آپ ہمیشہ مجھے لکھتی رہیے گا۔ شاید ہم دوبارہ جرمنی یا ہندوستان میں ایک دوسرے سے مل سکیں۔ کچھ عرصے بعد جب میرے پاس کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے تو میں یورپ میں اپنا گھر بناؤں گا۔ یہ میرا تصور[3] ہے۔ اور میری تمنا ہے کہ یہ سب پورا ہوگا[4]۔

۱؎ ERWACHSENE = ERWACHSENEN بالغان۔

۲؎ WEG DEM UBER BAHNHOF DER AUS یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔

۳؎ VIEW = ANSICHT مطمحِ نظر۔

۴؎ WURDEN SEIN GUT ALLES ES یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔

ہے جو اس صورت میں ممکن ہے کہ عمدہ اور ارزاں مصنوعات پیدا کر کے گراں اور ظاہری نمائش والی چیزوں کو ملک سے نکالو (؟) مقدس عہد لینا کہ ہم خارجی ممالک کی مصنوعات استعمال نہ کریں گے اور جوش میں آ کر انگریزی کپڑے کے کوٹ آگ میں پھینک دینا ایک طفلانہ فعل ہے جو اقتصادی لحاظ سے غیر مفید اور سیاسی لحاظ سے مضر ہے۔ اگر اس تحریک سے ہندو اور مسلمانوں میں اتحادِ اغراض پیدا ہو جائے اور رفتہ رفتہ قوی ہو جائے تو سبحان اللہ اور کیا چاہیئے ہندوستان کے سوئے ہوئے نصیب بیدار ہوں اور میرے دیرینہ وطن کا نام جلی قلم سے فردِ اقوام میں لکھا جائے۔ والسلام

(انوارِ اقبال)

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق[1]

آپ کا کارڈ ملا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہیں۔ مجھے بھی یہ خیال تھا کہ جاتی دفعہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، افسوس ہے۔ مجھے اس موقع پر فرصت کم تھی ورنہ کہیں نہ کہیں آپ سے ملنے کو آ جاتا۔ اچھا ہوا آپ نے وہ پرچہ[2] اپنی ذمہ داری پر چلانا شروع کیا۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ یہاں سے مشاغل سے مطلق فرصت نہیں ملتی۔ ایسے حالات میں مضامین لکھنے

---

[1] چونکہ یہ خط اپریل ۱۹۰۷ء کے کشمیری میگزین میں شائع ہوا تھا۔ لہٰذا اب اس کی تاریخ مارچ ۱۹۰۷ ہوئی۔

[صابر کلوروی: مکاتیب اقبال کے ماخذ پر ایک نظر]

[2] پرچہ جس کی طرف خط میں اشارہ ہے وہ کشمیری میگزین ہے جو ۱۹۰۷ء میں شروع ہوا تھا اور جس کے لیے فوق صاحب نے اقبال سے مضمون یا اشعار کی فرمائش کی تھی۔

خواجہ حسن نظامیؒ کے نام

پیارے نظامی!

آپ کا کارڈ پہنچا۔ الحمد للہ کہ آپ خیریت سے ہوں گے کئی دنوں کی بیماری کے بعد کل بسترِ بیماری سے اُٹھا ہوں۔ مفصل خط پھر لکھوں گا۔ بلکہ کچھ عرصے کے بعد آپ کو لاہور آنے کی تکلیف دوں گا۔ آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔ بعض لوگ آپ پر اخباروں میں حملہ کرتے ہیں۔ افسوس ہے مسلمانوں میں معمولی اخلاق بھی نہ رہے۔ میں خود علی گڈھ کالج کی پروفیسری نامنظور کرنے سے ہدفِ ملامت ہو رہا ہوں[1]۔ مگر ہے

۱؎ "اقبال از عطیہ بیگم" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے ایم۔اے۔ او کالج علی گڑھ میں فلسفے کی پروفیسری کی پیش کش کو جنوری تا مارچ ۱۹۰۹ء کے درمیان کسی وقت رد کیا تھا لہٰذا اس خط کا سنہ ۱۹۰۹ء ہو گا۔

[صابر کلوروی، مکاتیبِ اقبال کے ماخذ۔ ایک تنقیدی جائزہ۔]

۲؎ " (ولایت سے) گھر پہنچتے ہی آپ کو علی گڑھ کالج کی پروفیسری پیش کی گئی مگر آپ نے بیرسٹری میں کمال حاصل کرنے کے شوق میں اسے قبول نہ کیا۔ اس پر روزنامہ پیسہ اخبار اور دوسرے اخباروں میں بے شمار مضامین اور مراسلے شائع ہوئے جن میں قومی کالج کی اس خدمت سے انکار پر افسوس کا اظہار کیا گیا"

(برائے تفصیل، محمد عبداللہ قریشی، حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں ص ۲۳۵ - ۲۳۹)

عطیہ فیضی کے نام

لاہور

۱۳ر جنوری ۱۹۰۸ء

مائی ڈیر مس عطیہ!

کرم نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں، جو ابھی ابھی موصول ہو کر انتہائی تسکین کا باعث ہوا ہے۔ ذاتی طور پر تعزیت کے لیے میرا بمبئی آنے کا ارادہ تھا لیکن بدقسمتی سے ۲۹ر دسمبر کو جب میں کانفرنس کے مباحث میں شریک تھا، وطن سے بھائی جان کی تشویشناک علالت کی اطلاع بذریعہ تار ملی۔ اسی سہ پہر سیالکوٹ چلا گیا اور بقیہ تعطیلات ان کی تیمار داری میں صرف ہو گئیں۔ خوش قسمتی سے اب وہ صحت یاب ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ازسرِنو زندگی بخش کر مجھے ایک دردناک حادثہ سے بال بال بچا لیا۔ میں ان کا کتنا ہی روپیہ خرچ کر چکا اور ابھی کر رہا ہوں۔

جنجیرہ آنے کی دعوت کے لیے آپ کا، نواب صاحب اور بیگم صاحبہ کا ممنون احسان ہوں۔ یہ دعوت میرے لیے مسرت و شفقت کی سرمایہ دار تھی لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں نے ابھی ابھی اپنا کام شروع کیا ہے جو اس جگہ میری مستقل موجودگی کا متقاضی ہے۔ دوسروں کے لیے مجھے آپ کے لطفِ صحبت سے محروم ہونا پڑ رہا ہے۔ اس حادثہ میں آپ کی اور آپ کی ہمشیرہ کی دلداری و غمگساری کے لیے آنے کی ایک تقریباً ناقابلِ ضبط پُرزور خواہش تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس ضمن میں میں آپ کے کسی قدر کام آسکتا ہوں۔ لیکن ان مقاصد کی خاطر جہاں میری موجودہ حالت کے پیشِ نظر جبر مشیت اور زیادہ شدت سے اپنے آپ کو محسوس کراتا ہے میں اپنے جذبات کی سختی

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق!

مرزا افضل احمد صاحب کا خط[1] ملفوف ہے وہ اس خط کو کمیٹی میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور کارڈ آیا ہے مہربانی کرکے اس کی تعمیل بھی کریں۔ جو خط آپ نے میری طرف سے میگزین میں شائع کیا ہے اس کی چند کاپیاں (اگر وہ علیحدہ شائع ہوا ہو) مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کر دیں:

غلام محمد ڈار متصل گھنٹہ گھر، گجرانوالہ۔ یہ صاحب آپ کے خریدار ہیں۔ اگر علیحدہ شائع نہ ہوا ہو تو ان کو جواب دے دیں۔

راقم
محمد اقبال

۱۱ر مئی ۱۹۰۹ء[2] (انوارِ اقبال)

---

[1] ۸ر جنوری ۱۹۰۹ء کو کشمیری مسلمانان لاہور کا ایک اجلاس بلایا گیا جس میں اقبال بھی ایک رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ ۲۲ر جنوری کو سب کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں ایک انجمن بنام "انجمن کشمیری مسلمانان لاہور" قائم کی گئی۔ ۶ر فروری کو انجمن کے عہدہ داروں کا انتخاب ہوا اور اقبال اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے انجمن کے سامنے سب سے اہم مسئلہ پنجاب کے زراعت پیشہ کشمیری مسلمانوں کا تھا اس سلسلہ میں گورنر جنرل کے پاس وفد لے جانے پر غور کر رہے تھے۔ مرزا افضل احمد کا خط اسی سلسلہ میں تھا۔

[2] اس خط پر اقبال نے تاریخ درج نہیں کی تھی۔ یہ مرزا افضل احمد کے خط محررہ ۹ر مئی ۱۹۰۹ء کے جواب میں تحریر کیا تھا۔ اسی قیاس سے "انوارِ اقبال" کے مرتب نے اس کی تاریخ ۱۱ر مئی ۱۹۰۹ء متعین کی ہے۔ مرتب نے اس کی وضاحت نہیں کی ہے۔ حالانکہ انھیں یہ بتانا چاہیے تھا کہ یہ تاریخ قیاسی ہے۔
[صابر کلوروی: مکاتیبِ اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ]

آپ فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خواہشات کے عدم احترام کا مرتکب
ہوں، یہ واقعی عجیب بات ہے کیونکہ میں نے تو ہمیشہ آپ کی خواہشات کا
احترام ملحوظ رکھا ہے اور آپ کی خوشنودی کے لیے امکان بھر کوشاں رہا ہوں
البتہ جب کبھی کوئی امر ہی میرے حیطۂ اقتدار سے باہر ہوا تو میں مجبور رہا۔
میری فطرت کا تقاضا میری رہنمائی ایک دوسری طرف ہی کر رہا ہے۔
"وگرنہ آپ زیادہ محتاط ہوتے"۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں آپ
کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہوں۔ از راہِ کرم وضاحت فرمائیے کہ مجھے
کس اعتبار سے زیادہ محتاط رہنا چاہیے۔ میں آپ کی خوشنودی کی
خاطر ہر چیز کرنے کو تیار ہوں۔ دنیا میری پرستاری نہیں کر سکتی۔ میری
پرستش کوئی کیا کرے گا! کیوں کہ میری سرشت ہی ایسی ہے کہ میں
معبود نہیں بن سکتا۔ مجھ میں ایک پرستار کی جبلت اس قدر راسخ ہے
لیکن وہ خیالات جو میری روح کی گہرائیوں میں ایک طوفان بپا کیے ہوئے
ہیں، عوام پر ظاہر ہو جائیں تو پھر مجھے یقینِ واثق ہے کہ میری موت کے بعد
میری پرستش ہوگی[1]۔ دنیا میرے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گی اور مجھے
اپنے آنسوؤں کا خراجِ عقیدت پیش کرے گی۔
لفٹیننٹ گورنر، لاہور گورنمنٹ کالج کی پروفیسری کے لیے سیکرٹیری
آف سٹیٹ سے میری سفارش کرنے پر آمادہ تھے لیکن میں نے اپنے میلانِ

---

[1] ملاحظہ ہو اقبال کا شعر:

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

(میرے بعد لوگ میرے شعر پڑھتے ہیں، روتے ہیں اور کہتے ہیں
کہ ایک مردِ خود آگاہ نے دنیا کو دگرگوں کر دیا)

اٹھانا نہیں جانتے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ وقت قریب ہے جب
مسلمان اس رمز سے آگاہ ہوں گے جو فریضۂ حج میں مختص ہے عالمگیر اسلامی
کانفرنس مصر کے میں مخالف نہیں ہوں بشرطیکہ اسلامی ملکوں کی پالیٹکس سے
اِسے بالکل علاحدہ رکھا جائے اور اس کی تجاویز مسلمانوں کی سوشل اور مذہبی
اصلاح تک محدود ہوں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ دنیا کی گورنمنٹیں ضرور اسے
بدظنی کی نگاہ سے دیکھیں گی۔ میں اس قسم کی تجویز کا جس کا مقصد
مسلمانوں کی بہتری ہو، کس طرح مخالف ہوسکتا ہوں خصوصاً اس لحاظ سے
بھی کہ ایسی کانفرنس کی تجویز اس روسی اخبار نویس کی تحریک سے کئی ماہ
پیشتر خود میرے ذہن میں آچکی تھی اور میں نے لنڈن میں اپنے دوست
شیخ عبدالقادر صاحب سے اس کا ذکر بھی کیا تھا۔ ایک عام معاشرتی اور
تمدنی کانفرنس کے انعقاد سے مسلمانوں کو ضرور فائدہ ہوگا اور قومیت کی
ایک نئی روح ان میں پیدا ہوگی لیکن یہ کام مشکل ہے اور اس کے
سرانجام کرنے کے لیے انتہا درجہ کے استقلال اور عاقبت اندیشی کی
ضرورت ہے۔ عام لوگوں کو یہ تجویز نہایت دلفریب معلوم ہوتی ہے
اور منتظموں کے قومی تخیلات اِس سے تحریک میں آتے ہیں مگر وہ لوگ
اس کی مشکلات سے آگاہ نہیں ہیں، اور مسلمانانِ عالم کی موجودہ حالت
کے تمام کوائف سے ان کو واقفیت نہیں ہے۔ بڑا سنبھل کر قدم رکھنا
چاہیئے اور جب تک ہم کو پورا یقین نہ ہو جائے کہ کسی بدنتیجہ کے پیدا
ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے، تب تک کوئی عملی کام کرنا شاید مناسب
نہ ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اور اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ
صحیح طور پر نہیں لگا سکتے کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب سے جو امن اور
آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے، وہ اور ممالک کو ابھی نصیب
نہیں ہے۔ بہرحال ابھی اس کانفرنس کے ہونے کا مجھے چنداں یقین نہیں

آپ کی بے پایاں عنایات کا تو غالباً آپ کو علم ہی نہیں لیکن مجھے ان کا اس قدر احساس ہے کہ اس کے اظہار سے میری زبانِ قلم قاصر ہے چونکہ تمام احساسات کا حیطۂ بیان میں لے آنا ممکن نہیں، آئیے اس قصہ کو یہیں چھوڑ دیں اور پھر آپ بھی تو فرماتی ہیں کہ آپ قطعی فیصلہ کر چکی ہیں اور اب اس میں کسی تغیر کی گنجایش نہیں۔ وہ شکایاتِ شیریں جنھیں آپ غلطی کے نام سے تعبیر کرتی ہیں، ان کی نوعیت سے مجھے آگاہ کرنے میں بخل نہ فرمائیے۔ اگر یہ شکایات مجھ سے ہیں تو ازراہِ کرم انھیں تشنۂ تفصیل نہ رہنے دیجیے۔ بلاشبہ ہر شخص کے لیے زندگی موت کے انتظار کا نام ہے۔ میں بھی اگلے جہان کی سیر کا آرزومند ہوں وہاں پہنچ کر چاہتا ہوں کہ اپنے خالق کی زیارت کروں اور اُس سے تقاضا کروں کہ میری ذہنی کیفیت کی عقلی وضاحت کی جائے اور یہ کوئی آسان کام نہ ہوگا مجھ سے آپ کو شکایت نہ ہونی چاہیئے میں تو خود اپنے لیے بھی ایک معمہ ہوں۔ برسوں گذرے میں نے کہا تھا[1]

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

بہت سے لوگوں نے میرے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور (سچ تو یہ ہے) کہ مجھے تنہائی میں بار بار اپنے آپ پر ہنسی آتی ہے میں اب ان خیالات و بیانات کا ایک قطعی جواب دینے والا ہوں۔ آپ اسے "مخزن"[2] کے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گی۔ میں نے نہایت عمدگی سے اپنے متعلق دوسروں کے خیالات کا اظہار تو کر دیا ہے لیکن جواب ابھی نظم کرنا باقی ہے۔

---

[1] نظم بعنوان "زاہد اور رندی" کی آخری بیت جو "بانگِ درا" میں شامل ہے۔

[2] جس نظم کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ "عاشقِ ہرجائی" کے عنوان سے "بانگِ درا" کے حصہ دوم میں غلطی سے شامل کر لی گئی جس میں وہ نظمیں ہیں جو دورانِ قیام یورپ میں لکھی گئی۔ یہ نظم جیسا کہ اس خط سے ظاہر ہے ۱۰ جولائی ۱۹۰۹ء کے بعد لکھی گئی جو اس خط کی تاریخ ہے۔

Find in document

نینسی آرنلڈ کے نام

لاہور

۱۱ر جنوری ۱۹۱۱ء

عزیزۂ من نینسی (MY DEAR NANCY)

پچھلے پیر کو صبح سویرے جب کہ میں زندگی کے عجب و غرور[1] (VANITIES) پر غور کر رہا تھا میرے ملازم نے تمہارا کرسمس کارڈ لا کر مجھے دیا۔ تم تصور کر سکتی ہو کہ اسے پا کر مجھے کس قدر خوشی ہوئی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس نے مجھے اُن پر مسرت دنوں کی یاد دلائی جو میں نے اپنے گرو (GURU) کے ساتھ انگلستان میں گزارے تھے میں اس عمدہ تحفے کے لیے تمہارا بے حد تشکر گذار ہوں۔

میرا خیال ہے کہ تم اپنے علم نباتات (BOTANY) کے اسباق میں خوب ترقی کر رہی ہو گی۔ میں جب اگلی مرتبہ اپنے گرو کی پابوسی کے لیے (TO KISS THE FEET OF MY GURU) انگلستان آؤں گا، تو مجھے امید ہے کہ تم مجھے اُن سب پھولوں کے نام سکھلاؤ گی، جو انگلستان کی خوبصورت وادیوں میں اُگتے ہیں۔ مجھے اب تک وہ SWEET WILLIAM[2]

---

[1] VANITY کا ترجمہ عجب و غرور سے زیادہ اچھا "بھرم" ہوگا یا پھر اسے کھوکھلا پن کہا جاتے
اس وقت مس نینسی کی عمر تقریباً چودہ سال تھی۔

[2] ہلکے سرخ اور (سفیدی آمیز) رنگ کا ایک خوشبودار پھول۔

اخبار "الحکم" قادیان مورخہ ۲۸ راگست ۱۹۱۰ء کے صفحہ ۱۳ پر مندرجہ ذیل خبر درج ہے:

"بعد نمازِ عصر آپ کی نواسی کا نکاح ہونے والا تھا مگر مفتی فضل الرحمن صاحب کی وقتی غیر حاضری کی وجہ سے بعد نماز مغرب پانچ سو روپیہ مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔"

اس عبارت سے میرے اکثر احباب کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے زبانی اور بذریعہ خطوط استفسار کیا ہے۔ سب حضرات کی آگاہی کے لیے بذریعہ آپ کے اخبار کے اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معاملے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جن ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کا ذکر ایڈیٹر صاحب "الحکم" نے کیا ہے وہ کوئی اور صاحب ہوں گے۔ والسلام ۱۰ر ستمبر ۱۹۱۰ء

آپکا خادم

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا لاہور

ویگیناسٹ کے نام

لاہور

ہندوستان

۲۳ر ستمبر ۱۹۱۰ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا نوازش نامہ موصول ہوگیا ہے، جس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج ڈاک کا دن ہے[1] لیکن بدقسمتی سے میں بہت مصروف ہوں۔

---

[1] اگر اقبال اس باقاعدگی سے تقریباً ہفتہ وار مس ویگے ناسٹ کو خط لکھتے تھے تو ظاہر ہے ان میں سے بہت سے محفوظ نہیں رہے۔

مقدمے کے لیے گیا، وہاں سے دہلی آیا اور حاذق الملک صاحب کے
ہاں بغرضِ علاج مقیم رہا۔ الہ آباد بھی گیا، وہاں دو روز مولانا اکبر کی خدمت
میں آپ کا ذکرِ خیر آتا رہا۔ لاہور آکر ابھی دم ہی لیا تھا کہ ایک مقدمے کیلیے
[illegible]پور جانا پڑا۔ غرض کہ یہ تمام دن سفر میں گذرے اور اس وجہ سے
آپ کی خدمت میں عریضۂ نیاز نہ لکھ سکا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے
لاہور میں ہوں اور شکر ہے کہ ہر طرح سے خیریت ہے۔

مہاراجہ بہادر الور کی طرزِ گفتار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنی
ملازمت میں لینے کے خواہش مند ہیں مگر پرائیویٹ سیکرٹری کی جگہ کی
تنخواہ اتنی تھی کہ میں اُسے قبول نہ کرسکتا تھا۔ اس کے علاوہ غالباً ان
پر زور ڈالا گیا کہ اس جگہ کے لیے کسی ہندو کی تقرّری مناسب
ہے اور شاید یہ درست بھی ہو۔ یہ وجہ تھی میرے الور نہ جانے
کی۔

راقم الدولہ ظہیر مرحوم کو آپ خوب جانتے ہیں۔ دہلی میں اُن کا
نواسہ مجھ سے ملا تھا اور کہتا تھا کہ مہاراجہ بہادر نے از راہِ مرحمت کریمانہ
ظہیر مرحوم کے سوانح اور قصائد کے طبع و اشاعت کے لیے دو سو روپے
کی رقم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شرفا پروری کا اجر
عظیم ارزانی فرمائے۔ ظہیر مرحوم کے سوانح دلچسپ ہیں۔ خصوصاً غدر کے ایام
کے واقعات جو انہوں نے لکھے ہیں، تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ عبرتناک
ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اُن کے قصائد کا دیوان بھی نہایت عمدہ ہے۔ میں نے ان
کے نواسے کو ہدایت کی ہے کہ وہ سوانح عمری ظہیر خواجہ حسن نظامی کے

لہ راقم الدولہ ظہیر دہلوی کے نواسے اشتیاق حسین دہلوی آخری زمانے میں ہمدرد دواخانہ
سے متعلق رہے۔ ظہیر دہلوی کی کتاب "داستانِ غدر" طبع ہو چکی ہے۔ تفصیل کے لیے
حواشی ملاحظہ کیجیے۔

زمیندار میں یہ پڑھ کر نہایت افسوس ہوا کہ 'اردو شاہنامہ'
تلف ہوگیا۔ جو شعر اس میں سے شائع ہوئے ہیں وہ بڑے زور کے
ہیں۔

رگِ موج سے خون جاری کریں

اس مصرع پر تو فردوسی اور نظامی بھی رشک کرتے۔
ہاشم طال عمرہٗ[1] کو میری طرف سے بہت بہت پیار کیجیے۔ میری روح
کو اس نام سے ایک خاص تعلق[2] ہے اللہ تعالیٰ اس بچے کی عمر دراز
کرے اور دین و دنیا میں اسے بامراد کرے۔ سکول کی خواندگی
میں اُس کا وقت ضرور ضائع ہوتا ہوگا۔ مگر باوجود اس کے کس قدر
خوش نصیب لڑکا ہے کہ پیرانِ مشرق سے فیض کی نظر لے رہا ہے
یہی نظر صبغۃ اللہ ہے واحسن فی صبغۃ اللہ[3]

---

[1] ہاشم اکبر الہ آبادی کے صاحبزادہ کا نام ہے۔

[2] ہاشم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد ہیں اور آپ ہاشمی کہلاتے ہیں
یہی سبب روحانی تعلق کا ہو سکتا ہے۔

[3] یہاں اقبال سے سہوِ قلم ہوا ہے صحیح یوں ہوگا وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ
صِبْغَۃِ اللّٰہِ = اللہ کا رنگ، اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے چوکھا ہے؟
قرآن (۲: ۱۳۸)

(مؤلف)

اللہم زد فزد۔

جو عنایت آپ اقبال کے حال پر فرماتے ہیں اُس کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو۔ دوست پروری اور غریب نوازی آپ کے گھرانے کا خاصہ ہے۔ کیوں نہ ہو جس درخت کی شاخ ہو اس کے سائے سے ہندوستان بھر مستفیض ہو چکا ہے۔ الور کی ملازمت نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی۔ سات آٹھ سو روپے ماہوار تو لاہور میں بھی مل جاتے ہیں اگرچہ میری ذاتی ضروریات کے لیے تو اس قدر رقم کافی بلکہ اس سے زیادہ ہے تاہم چونکہ میرے ذمے اوروں کی ضروریات کا پورا کرنا بھی ہے اس واسطے اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے گھر بھر کا خرچ میرے ذمّہ ہے بڑے بھائی جان جنہوں نے اپنی ملازمت کا اندوختہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا اب پنشن پا گئے۔ اُن کے اور اُن کی اولاد کے اخراجات بھی میرے ذمے ہیں اور ہونے بھی چاہییٔے۔ خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں۔ تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد کی۔ ضرورت نہ تھی مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ اقبال نے گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے حیرتناک ثابت قدمی کے ساتھ تین سال تک اس کے لیے طرح طرح کے مصائب اٹھائے ہوں، اُسے اپنی بیوی نہ بنائے۔ کاش! دوسری بیوی کرنے سے پیشتر یہ حال معلوم ہوتا۔ غرض کہ مختصر طور پر یہ حالات ہیں جو مجھے لبا اوقات مزید دوڑ دھوپ کرنے پر مائل کر دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں رہنا میرے لیے باعثِ افتخار ہے۔ آہ! اس وقت ہندوستان میں ہنر کا قدر دان سوائے آپ کے کون ہے؟ میں تو لبا اوقات قحطِ خریدار سے تنگ آ جاتا ہوں۔

اپنا پیر و مرشد تصور کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میری مذمت کرے جس کا مقصد آپ کی مدح سرائی ہو تو مجھے اس کا مطلق رنج نہیں بلکہ خوشی ہے۔ جب آپ سے ملاقات اور خط و کتابت نہ تھی اس وقت بھی میری ارادت و عقیدت ایسی ہی تھی جیسی اب ہے اور ان شاء اللہ تک زندہ ہوں ایسی ہی رہے گی۔ اگر ساری دنیا متفق اللسان ہو کر یہ کہے کہ اقبال پوچ گو ہے تو مجھے اس کا مطلق اثر نہ ہوگا کیوں کہ شاعری سے میرا مقصد بقول آپ کے حصولِ دولت و جاہ نہیں محض اظہارِ عقیدت ہے۔

عام لوگ شاعرانہ انداز سے بے خبر ہوتے ہیں اُن کو کیا معلوم کہ کسی شاعر کی داد دینے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اگر داد دینے والا شاعر ہو تو جس کو داد دینا مقصود ہو اُس کے رنگ میں شعر لکھے۔ یا بالفاظِ دیگر اُس کا تتبع کر کے اُس کی فوقیت کا اعتراف کرے۔ میں نے بھی اس خیال سے چند اشعار آپ کے رنگ میں لکھے ہیں، مگر عوام کے رجحان اور بد مذاقی نے اس کا مفہوم کچھ اور سمجھ لیا اور میرے اِس فعل سے عجیب و غریب نتائج پیدا کر لیے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سمجھ عطا کرے۔ نقاد کو جو خط آپ نے لکھا ہے میں اُسے شوق سے پڑھوں گا۔ اگر وہ شائع ہو جائے تو رسالہ کی کاپی بھیج دیجیے گا۔ میرے پاس نقاد نہیں آتا۔

سبحان اللہ "غم بڑا مدرکِ حقائق ہے" زندگی کا سارا فلسفہ اِس ذرا سے مصرع میں مخفی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ لاہور میں اب کے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ ابر روز آتا ہے مگر لاہور کی چار دیواری کے اندر اُسے برسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگست کے ابتدا میں چند روز کے لیے شملہ جانے کا قصد ہے کچہری تین اگست سے بند ہو جائے گی۔

والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

(اقبال نامہ)

اقبال کو یاد فرمایا (۱) مروت کی تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے اور بندہ اقبال جس کو آپ ازراہِ کرم گستری لفظ دوست سے مفتخر فرماتے ہیں نہایت سپاس گذار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاراجہ بہادر کے دلی مقاصد بر لائے اور اُن کے اعداء کو ذلیل و خوار کرے۔ آمین۔

بندۂ درگاہ محمد اقبال

کیا سرکار نے اپنا اُردو دیوان مرتب کر لیا؟ اسے ضرور شائع ہونا چاہیئے۔

(اقبال بنام شاد)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲، دسمبر ۱۹۱۳ء

سرکار والا تسلیم

سرکار کا والا نامہ جس پر دستخطِ گرامی ثبت نہ تھے، چند روز ہوئے موصول ہوا۔ ساتھ ایک خط جناب کے کسی اہل کار کا تھا جس سے نہایت وحشت ناک خبر موصول ہوئی یعنی یہ کہ راجہ عثمان پرشاد سرکار کو داغِ فرقت دے گئے۔ کیا کہوں کس قدر تکلیف روحانی اِس خبر کو سن کر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو جنت نصیب کرے اور اس کے پیار کرنے والوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آپ کی نگاہ نظامِ عالم کی حقیقت پر ہے اور آپ کا قلب ان تمام کیفیات

ا مہاراجہ نے اقبال کو فکرِ معاش سے بے نیاز کرنے کی خاطر مستقل وظیفے کی پیشکش کی تھی، مگر یہ شاہین زیرِ دام نہ آیا۔ یہ خط اسی پیشکش کے جواب میں ہے

(محمد عبداللہ قریشی)

یہ مثنوی گذشتہ دو سال کے عرصے میں لکھی گئی۔ مگر اس طرح کہ لئی کئی ماہ کے وقفوں کے بعد طبیعت مائل ہوتی رہی۔ چند اتوار کے دنوں اور بعض بے خواب راتوں کا نتیجہ ہے۔ موجودہ مشاغل وقت نہیں چھوڑتے اور جوں جوں اس پر وفیشن میں زمانہ زیادہ ہوتا جاتا ہے کام بڑھ ہی جاتا ہے۔ لٹریری مشاغل کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔ اگر مجھے پوری فرصت ہوتی تو غالباً اس موجودہ صورت سے یہ مثنوی بہتر ہوتی اس کا دوسرا حصہ بھی ہوگا جس کے مضامین میرے ذہن میں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ حصہ اس حصہ سے زیادہ لطیف ہوگا۔ کم از کم مطالب کے اعتبار سے گو زبان اور تخیل کے اعتبار سے میں نہیں کہہ سکتا کہ کیسا ہوگا۔ یہ بات طبیعت کے رنگ پر منحصر ہے جو اپنے اختیار کی بات نہیں۔

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام سے اور اس کے نصب العین اور غرض و غایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ صلعم کے منہ سے ہوئی۔ صوفی لوگوں نے اسے تصوف پر ایک حملہ تصور کیا ہے اور یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے۔ ان شاء اللہ دوسرے حصے میں دکھاؤں گا کہ تصوف کیا ہے اور کہاں سے آیا اور صحابہ کرام کی زندگی سے کہاں تک ان تعلیمات کی تصدیق ہوتی ہے جس کا تصوف حامی ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور
۲۵ اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی! السّلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ دونوں اشعار لاجواب ہیں:

فطرت کی زبان جس کو سمجھو

سبحان اللہ! یہ طرز اور معنی آفرینی خاص آپ کے لیے ہے کوئی دوسرا یہاں مجالِ دم زدن نہیں رکھتا۔ اور دوسرا شعر

غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے[1]

کئی دفعہ پڑھ چکا ہوں۔ اس کا لطف کم ہونے میں نہیں آیا۔

کبھی موقع ہوتا ہے تو دل کا دُکھڑا آپ کے پاس روتا ہوں۔ یہاں لاہور میں ضروریاتِ اسلامی سے ایک متنفس بھی آگاہ نہیں۔ یہاں انجمن اور کالج اور فکرِ مناصب کے سوا اور کچھ نہیں۔ پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہوگیا ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے کوئی خاص مدد نہ کی تو آیندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں۔ صوفیا کی دکانیں ہیں مگر وہاں سیرتِ اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔

کئی صدیوں سے علماء اور صوفیا میں طاقت کے لیے جنگ

---

[1] پورا شعر یوں ہے: وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو
غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے
(خطوطِ مشاہیر ص ۸۴۔ معاصرین اقبال کی نظر میں ۱۶۴)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور
۱۸؍اکتوبر ۱۹۱۵ء

مخدومی! تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا تھا۔ مجھے اس بات سے تردد ہے کہ آپ کی علالت کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحتِ کامل عطا فرمائے۔ آپ کے خطوط سے مجھے نہایت فائدہ ہوتا ہے اور مزید غور و فکر کی راہ کھلتی ہے۔ اسی واسطے میں ان خطوط کو محفوظ رکھتا ہوں کہ یہ تحریریں نہایت بیش قیمت ہیں اور بہت لوگوں کو اُن سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہے۔ واعظِ قرآن بننے کی اہلیت تو مجھ میں نہیں ہے۔ ہاں اس مطالعہ سے اپنا اطمینان (خاطر) روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ گو عملی حالت کے اعتبار سے بہت سست عنصر واقع ہوا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں۔

شیعوں کے متعلق آپ نے خوب لکھا۔ میرا مدت سے یہی خیال ہے۔ امامت کا مسئلہ سوسائٹی کو انتشار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ مذہبی حقائق کا معیار عقل ہو۔ میں نے کئی دفعہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صوفی بننے کی نسبت شیعہ ہو جانا ضروری ہے۔ اگر تقلید ضروری ہے تو اولادِ علی مرتضٰے سے بڑھ کر اور کون امام ہوگا۔ البتہ امامت کے اصول میں ایک نقص ہے اور وہ یہ کہ عوام کو مجتہدین سے تعلق رہتا ہے اور قرآن سے تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بالکل کوئی تعلق نہیں رہتا۔ "مذہب بغیر قوت کے محض ایک فلسفہ ہے" یہ نہایت صحیح مسئلہ ہے اور حقیقت میں

ایڈیٹر "پیغامِ صلح" کے نام

لاہور، ۱۳ر نومبر ۱۹۱۵ء

مخدومی ایڈیٹر صاحب پیغامِ صلح[1]، السلام علیکم!

۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کے "الفضل" میں سید انعام اللہ شاہ صاحب سیالکوٹ نے ایک تحریر بعنوان "جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی رائے اختلاف جماعتِ احمدیہ کے بارے میں[2] شائع کرائی ہے۔ اس تحریر کے متعلق اکثر احباب نے بذریعہ خطوط وغیرہ مجھ سے دریافت کیا ہے۔ فرداً فرداً جواب دینے سے قاصر ہوں لہٰذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل سطور کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر مجھے ممنون فرمائیے

---

[1] پیغامِ صلح، جماعت احمدیہ لاہور کے ہفت روزہ اخبار کا نام ہے جو اب بھی شائع ہوتا ہے۔

[2] قادیانیت کے متعلق علامہ اقبال کا موقف بہت واضح ہے۔ وہ انھیں غیر مسلم سمجھتے تھے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے متعدد مواقع پر قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ پنڈت نہرو کے نام ایک خط میں انھوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

مگر ابتدائی دور میں قادیانیوں کے بارے میں ان کی رائے ایسی دو ٹوک اور واضح نہیں تھی۔ علامہ اقبال کے اپنے بقول "ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی۔ وہ قادیانیوں کے ساتھ بعض جلسوں میں بھی شریک ہوتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر بعض ملی مسائل پر بیانات بھی دیتے رہے (قادیانی غالباً اسی کو اقبال کا "احمدیت" کے ساتھ گہرا تعلق قرار دیتے ہیں) مگر جب قادیانیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آگئے تو انھوں نے قادیانیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔

ابتدائی دور کا یہ خط بھی قادیانیت کے بارے میں اقبال کی پوزیشن کو مزید واضح کرتا ہے۔ کسی قادیانی نے جب قادیانیوں کی حمایت میں بعض کلمات ان سے منسوب کیے تو انھوں نے اس خط کے ذریعے اس کی تردید کی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سکتا ہوں کہ میں نے کوئی سوال آپ سے نہیں کیا تھا میر انعام اللہ صاحب سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ عادۃً مبالغہ آمیز باتیں کرنے کا عادی ہے پوری گفتگو نہ کبھی اس کی کسی نے سمجھی ہے اور نہ ہی وہ خود بے چارا سمجھ سکتا ہے۔ ایک فقرہ سے کئی کئی نتائج اخذ کیا کرتے ہیں۔ انہیں معذور سمجھنا چاہیئے۔"

افسوس ہے کہ میر انعام اللہ صاحب نے میرے الفاظ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں غلط فہمی ہوئی ہو ایک شخص جو کسی [illegible] فریق سے تعلق رکھتا ہو، وہ قدرتی طور پر اوروں کی گفتگو سے وہی الفاظ و مطالب یاد رکھتا ہے جو اس کے مفیدِ مطلب ہوں اور سیاقِ الفاظ فراموش کر جاتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کتاب "حقیقت النبوۃ" کی بہ لحاظ اس کی ترتیب کے تعریف کی تھی مگر اس کے دلائل پر رائے دینے کا مجھے حق حاصل نہیں، کیونکہ اختلافِ سلسلۂ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہو، اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک غیر احمدی مسلمان جو رسول اللہ صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہ ہو، وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں۔

محمد اقبال۔ لاہور

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۱۵ دسمبر ۱۵ء

سرکارِ والا تسلیم

سرکار کا والا نامہ مل گیا تھا مگر طبیعت علیل تھی۔ بخار اور نزلہ سے

رہی۔ جس میں آخر کار صوفیا غالب آئے۔ یہاں تک کہ اب برائے نام علماء جو باقی ہیں وہ بھی جب تک کسی نہ کسی خانوادے میں بیعت نہ لیتے ہوں، ہر دلعزیز نہیں ہو سکتے۔ یہ روش گویا علماء کی طرف سے اپنی شکست کا اعتراف ہے۔ مجدد الف ثانی۔ عالمگیر اور مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ زور رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو مل جائے۔ جس کے دل میں اپنا اضطراب منتقل کر دوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

آپکا خادم

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

ضیاء الدین برنی کے نام

لاہور، ۳۰ر اکتوبر ۱۵ء

مکرمی السلام علیکم آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ تصوف کی کتاب پر نظرثانی کرنے کے لیے میں کسی طرح اہل نہیں کیونکہ مجھے تصوف سے معمولی واقفیت ہے اور وہ بھی سطحی

محمدؐ دین فوق کے نام

لاہور ۲۳ر دسمبر ۱۵ء

ڈیر فوق۔ السلام علیکم

دونوں کتابیں مل گئی ہیں۔ انگریزی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ افسوس ہے کہ آپ کو مفت میں تکلیف ہوئی

"وجدانی نشتر" خوب ہے مگر تعجب ہے کہ شیخ ملاّ کے ملحدانہ و زندیقانہ شعر [1] من چہ پروائے مصطفیٰؐ دارم کو آپ اس کتاب میں جگہ دیتے ہیں اور پھر ملاّ کی تشریح کس قدر بے ہودہ ہے۔ یہی وہ وحدت الوجود ہے جس پر خواجہ حسن نظامی اور اہلِ طریقت کو ناز ہے؟ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحم کرے اور ہم غریب مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ ریویو [2] دوسرے صفحے پر درج ہے۔

(عکس) (انوار اقبال)

---

[1] پورا شعر یہ ہے۔

بیعہ در پنجہ خدا دارم | من چہ پروائے مصطفیٰؐ دارم

(ترجمہ) میرا بیعہ خدا کے پنجہ میں ہے اور مجھے مصطفیٰؐ (سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیا پروا۔ (خاک در دہن شیخ ملا لاہوری)

[2] اس خط کا عکس جو ہمیں ملا ہے وہ نا تمام ہے، دوسرے صفحہ پر ریویو کا ذکر ہے وہ اس میں موجود نہیں

آج افاقہ ہے۔ اس واسطے خط لکھنے کا حوصلہ ہوا۔ پرسوں پیغامِ صلح
میں سرکار کی ایک نظم ملاحظے سے گزری۔ میں نے اسی کو نیم ملاقات
تصوّر کرلیا۔ آپ کے قلم برداشتہ نظم و نثر لکھنے پر کون ہے جو رشک نہ
کرتا ہوگا؟ سائیں رب سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے عرضِ حال بھی کیا تھا۔
کہتے تھے رب ہمیشہ شاد کے ساتھ ہے مطمئن رہیں۔ مگر آپ کے
خط کا مضمون پڑھ کر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ اس کی وجہ کبھی ملاقات ہوئی
تو عرض کروں گا۔ ارادۂ سفر سن کر بڑی مسرّت ہوئی۔ پچھلی دفعہ
جس موسم میں سرکار تشریف لائے وہ اچھا نہ تھا۔ پنجاب کے لیے سردیوں
کا موسم سفر کے لیے خوب ہے۔ فروری کا مہینہ خاص کر اچھا ہے۔
بندۂ اقبال ہمیشہ آپ کے دولت و اقبال کے لیے دست بدعا
ہے۔ اللہ تعالیٰ حوادثِ روزگار سے مامون و مصئون رکھے۔ آمین

آپ کا مخلص محمد اقبال، لاہور

(اقبال بنام شاد) (عکس)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۲۱ر دسمبر ۱۵ء

سرکار والا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ اس سے پیشتر ایک
عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا تھا۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا
ہوگا۔ کل شام خواجہ کمال الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ
دیر تک آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا ذکر ایک پرائیویٹ مجمع میں کرتے
رہے۔ میرے لیے یہ ذکر باعثِ مسرّت تھا۔

خواجہ حسن نظامی کے نام

لاہور۔ ۳۰ دسمبر ۱۵ء

مخدومی خواجہ صاحب السّلام علیکم

آپ کا والا نامہ مِل گیا[1]۔ آپ کی علالت کا حال معلوم کر کے تردّد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ صحتِ عاجلہ عطا فرمائے۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام[2] سے عشق ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کو ایک حقیقتِ اسلامی[3] معلوم ہو جائے اور آپ اس سے انکار کریں بلکہ مجھے ابھی سے یقین ہے کہ آپ بالآخر[4] میرے ساتھ اتّفاق کریں گے۔ میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے۔ میرا فطری اور آبائی میلان تصوّف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی[5] ہو گیا تھا۔ کیونکہ فلسفۂ یورپ[6] بحیثیتِ مجموعی وحدت الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے، مگر قرآن[7] پر تدبّر کرنے اور تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی

---

[1] اوراق گم گشتہ: ملا

[2] اوراق گم گشتہ: (پیغمبر اسلام صلعم)

[3] اوراق اسلامی حقیقت۔

[4] اوراق: بالآخر آپ۔

[5] اوراق: تیز ہو گیا تھا۔

[6] اوراق یورپ میں فلسفہ۔

[7] اوراق قرآں میں۔

غلط معلوم[1] ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔

رہبانیت اور اسلام پر مضمون ضرور لکھوں گا مگر آپ[2] کے مضمون کے بعد۔ رہبانیت عیسائی مذہب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ[3] ہر قوم میں پیدا ہوتی ہے اور ہر جگہ اس نے شریعت اور[4] قانون کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے اثر کو کم کرنا چاہا ہے اسلام حقیقت میں[5] اسی کے خلاف ایک[6] صدائے احتجاج ہے [illegible]ت جو مسلمانوں میں پیدا ہوا[7] (اور تصوف سے میری مراد ایرانی تصوف ہے) اس نے ہر قوم کی رہبانیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر راہبی[8] تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے[9]۔ یہاں تک کہ قرمطی تحریک[10] سے بھی تصوف نے فائدہ اٹھایا ہے محض اس وجہ سے کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیودِ شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا۔ بعض صوفیا کی نسبت تاریخی شہادت بھی[11]

---

[1] اوراق: لعور مطالعہ کرنے سے مجھے اس غلطی کا احساس ہو گیا۔

[2] اوراق: لیکن آپ کے۔

[3] اوراق: خاص نہیں ہے۔

[4] اوراق: قانون شریعت کا مقابلہ۔

[5] اوراق: درحقیقت۔

[6] اوراق: اسی رہبانیت کے خلاف۔

[7] اوراق: قوسین ندارد / اور اس جگہ تصوف سے میری مراد۔

[8] اوراق: رہبی۔

[9] اوراق: یہاں تک کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیود شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا۔

[10] اوراق: شہادت موجود ہے کہ وہ

خمارِ بے حد من سحرہا ہمی طلبد[1]

لندن میں ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا کہ تم مسلمان ہو؟ میں نے کہا ہاں، تیسرا حصہ مسلمان ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے "کس طرح؟ میں نے عرض کی کہ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں مجھے تمہاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں نماز خوشبو اور عورت۔ مجھے ان تینوں میں صرف ایک پسند ہے مگر اس تخیل کی داد دینی چاہئیے کہ نبی کریمؐ نے عورت کا ذکر دو لطیف ترین چیزوں کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت نظامِ عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی نماز۔

ایک معشوقہ[2] پنجاب میں رہتی ہیں۔ میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں مگر سنا جاتا ہے کہ حسن میں لاجواب ہے اور اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر پردہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے چند روز ہوئے اس کا خط مجھے موصول ہوا کہ مجھ سے نکاح کر لو۔ تمہاری نظم کی وجہ سے تم سے غائبانہ پیار رکھتی ہوں اور میری توبہ کو ٹھکانے لگا دو۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس کارِ خیر میں حصہ لوں مگر کمر میں طاقت ہی نری کافی نہیں اس کے لیے دیگر وسائل بھی ضروری ہیں۔ مجبوراً مہذبانہ انکار کرنا پڑا۔ اب بتائیے کہ آپ کا نسخہ کیسے استعمال میں آئے۔ مگر میں آپ کی ولایت کا قائل ہوں کہ آپ نے ایسے وقت یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ مریض کی طبیعت خود بخود اُدھر مائل تھی۔ نسخہ مجھے دل سے پسند ہے مگر اس کو کسی اور وقت پر استعمال میں لاؤں گا جب

---

[1] میرا خمارِ بے حد سمدر روشنی کا مطالبہ کرتا ہے۔

[2] عکس پر غور کرنے سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہاں لفظ "مطربہ" تھا اس میں تحریف کر کے معشوقہ بنایا گیا ہے۔ (مؤلف)

پیش کیا۔ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں رومی دنیا میں یہ مذہب نہایت مقبول تھا۔ اس کی آخری حامی ایک عورت تھی HYPATIA نام جس کو عیسائیوں نے عین عمر میں نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا تھا۔ مسلمانوں میں یہ مذہب حرّان[1] کے عیسائیوں کے تراجم کے ذریعے پھیلا اور رفتہ رفتہ مذہب اسلام کا ایک جزو بن گیا۔ میرے نزدیک یہ تعلیم قطعاً غیر اسلامی ہے اور قرآن کریم کے فلسفے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ تصوف کی عمارت اسی یونانی بیہودگی پر تعمیر کی گئی۔ والسلام

آپ کا خادم
محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خاں)

اکبر الٰہ آبادی کے نام

لاہور

۲۷ جنوری ۱۹۱۶ء

مخدومی! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ملا۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے

ان شاء اللہ اختلاف رائے کا اثر پرائیویٹ تعلقات پر نہ ہو گا۔ میں نے تو صرف ایک دو خط شائع کیے تھے اور وہ بھی اس وقت جب خواجہ حسن نظامی[2] نے خود مضامین لکھے اور اپنے احباب سے لکھوائے۔ ان مضامین کی مجھے کوئی شکایت نہیں۔ شکوہ صرف اس امر کا تھا کہ پرائیویٹ خطوں میں تو وہ مجھے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں کہ تمہاری نیت پر کوئی حملہ نہیں۔ لیکن اخباروں میں اس کے برعکس لکھتے ہیں۔ میں نے خود خواجہ حسن نظامی سے اس امر کی شکایت کی تھی، اور نہایت صاف باطنی کے ساتھ

---

[1] حرّان ایک جگہ کا نام ہے یہاں تابت بن قرہ کے زیر ہدایت نجوم و ریاضی کی کتابوں کے تراجم عہد عباسی میں ہوئے [illegible] یاقوت حموی معجم البلدان ۲/۳۳۱ ، دائرہ المعارف الاسلامیہ ج ۸/ ۶۲-۷

میرے کانوں میں اُن کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفلِ درس میں ہر روز شریک ہوتا۔ بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود بھی پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی۔ اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات تعلیمِ قرآن کے مطابق نہیں ہیں، اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا۔ کئی سالوں تک میرا یہی خیال رہا ہے کہ میں غلطی پر ہوں گو اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے تک پہنچ گیا ہوں، لیکن اس وقت بھی میرے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں۔ اس واسطے بذریعہ عریضہ ہٰذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ از راہ عنایت و کرم چند اشارات تحریر فرما دیں۔ میں ان اشارات کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم و رائے میں مناسب ترمیم کر لوں گا۔ اگر آپ ایسا ارشاد فرما دیں تو میں مدت العمر آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

تجلی ذاتی کا ذکر کرتے ہوئے شیخ اکبر فرماتے ہیں :-

« وما بعد هذا التجلّی الّا العدم المحض فلا تطمع ولا تتعب فی ان ترقی فی هذه الدرجه من التجلّی الذاتی »[1] اس میں شیخ نے تجلیّ ذاتی کو انتہائی مقام قرار دیا ہے اور اس کے بعد عدمِ محض۔ حضرت مجددؒ نے یہ فقرہ ایک مکتوب میں نقل کیا ہے میری کتابیں اس وقت لاہور میں موجود نہیں ہیں کہ صحیح مقام کا پتہ دے سکتا۔

میرا یہ ہرگز عقیدہ نہیں کہ جن بزرگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے انہوں نے قرمطی تحریک سے افاضہ کیا۔ یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا بہتان ہے۔ بعض صوفیہ کی تحریروں اور علمائے قرمطی کی تحریروں میں مماثلت ہونا اور بات ہے۔

---

[1] (ترجمہ) اس تجلی کے بعد عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تجلی ذاتی کے مرتبہ سے اوپر جانے کی خواہش ہو یا اس کی طلب کی جائے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا[1] یہ تھا کہ ایسے آدمی[2] پیدا ہوں جن کی مستقل[3] حالت کیفیتِ صحو ہو، یہی وجہ ہے کہ رسول کریمؐ کے صحابہ[4] میں صدیقؓ و عمرؓ تو بکثرت ملے مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا، مضمون[5] بہت طویل ہے اور[6] اس مختصر خط میں سما نہیں سکتا۔[7] میں ان شاء اللہ اس پر مفصل بحث کروں گا جب حالات مساعدت کریں گے۔ مگر شیخ[8] محی الدین ابن عربیؒ کے ذکر سے ایک بات یاد آگئی[9] جو عرض کرتا ہوں، اس واسطے کہ آپ کو غلط فہمی نہ رہے۔ میں شیخ کی عظمت[10] و فضیلت کا قائل ہوں اور ان کو اسلام کے بہت بڑے حکماء میں سمجھتا ہوں۔ مجھ کو ان کے اسلام میں[11] کوئی شک نہیں[12]۔ کیونکہ جو عقائد[13] (مسئلہ قدم ارواح و مسئلہ وحدت الوجود) ان

---

1. اوراق، کا منشا کچھ یہی تھا۔
2. اوراق؛ کہ ایسے لوگ
3. اوراق؛ مستقل ندارد
4. اوراق؛ کہ آپ کے صحابہ میں ہمیں صدیق اکبر اور فاروق اعظم تو ملتے ہیں لیکن۔
5. اوراق، یہ مضمون
6. اوراق؛ اور ندارد
7. اوراق، سما نہیں سکتا ان شاء اللہ۔
8. اوراق: مگر شیخ ابن عربی
9. اوراق: یاد آئی جس کو اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپ کو
10. اوراق: عظمت و فضیلت دونوں کا
11. اوراق؛ میں سے
12. اوراق، میں بھی کوئی شک نہیں ہے۔
13. اوراق: جو عقائد ان کے ہیں (مسئلہ قدم ارواح اور وحدت الوجود)

خواجہ حافظ کی شاعری کا میں معترف ہوں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ویسا شاعر ایشیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا اور غالباً پیدا بھی نہ ہوگا لیکن جس کیفیت کو وہ پڑھنے والے کے دل پر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ کیفیت قوائے حیات کو کمزور و ناتواں کرنے والی ہے۔ یہ ایک نہایت طویل اور دلچسپ بحث ہے جو اس مختصر خط میں سما نہیں سکتی۔ میں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی گزشتہ دماغی تاریخ اور موجودہ حالت پر بہت غور کیا ہے جس سے مجھے یقین ہو گیا ہے، کہ ان دونوں قوموں کے اطبا کو اپنے مریض کا اصلی مرض اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔ میرا عقیدہ ہے کہ ان کا اصلی مرض قوائے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے اور یہ ضعف زیادہ تر ایک خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے جو ایشیا کی بعض قوموں کی بدنصیبی سے ان میں پیدا ہو گیا۔ جس نکتۂ خیال سے یہ قومیں زندگی پر نگاہ ڈالتی ہیں وہ نکتۂ خیال صدیوں سے مصعف مگر حسین و جمیل ادبیات سے محکم ہو چکا ہے اور اب حالاتِ حاضرہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس نکتۂ خیال میں اصلاح کی جائے۔

باقی رہا خواجہ حافظ کا صوفی ہونا سو خواہ وہ صوفی ہوں خواہ محض شاعر ہر دو اعتبار سے ان کے کلام کی قدر و قیمت کا اندازہ اور صحیح اندازہ علم الحیات کے اعتبار سے ہونا چاہیے، بلکہ ہر شاعر صوفی دینی و مصلح کی قدر و قیمت اسی معیار سے جانچنی چاہیے، اور جو اس معیار پر پورا اترے اس کو اسی وقت دستور العمل بنانا چاہیے۔

مولانا جامی نفحات میں[1] لکھتے ہیں کہ خواجہ حافظ کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کہیں اپنی نسبت بھی درست کی تھی یا نہیں۔ آپ نفحات نکال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محقق جامی خواجہ کے صوفی ہونے کے متعلق کیسی محتاط رائے دیتا ہے۔ مگر ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ خواجہ صاحب صوفی تھے یا محض شاعر۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں معیار مقررہ پر ان کا کلام پرکھا جانا چاہیے۔

---

[1] عبدالرحمٰن جامی نفحات الانس۔ مگر مولانا جامی کا زمانہ حافظ سے بہت بعد کا ہے حافظ کے بارے میں صر
ایک ہی معاصر شہادت دستیاب ہے، سید اشرف جہانگیر سمنانی رح ان سے ملے ہیں اور لطائف اشرفی میں اس
ملاقات کا تذکرہ کیا ہے۔
وہ حافظ کو ایک صاحب رسیدہ درویش بتاتے ہیں اور یہ کہ وہ اویسی نسبت پیرانِ جام سے رکھتے تھے۔

میں میری جان و مال و آبرو ہے میں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے اور میں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا۔ جب تک اس کا دوسرا حصہ ختم نہ ہولے گا میری روح کو چین نہ آئے گا اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ بس میرا یہی ایک فرض ہے اور شاید میری زندگی کا اصل مقصد ہی یہی ہے مجھے یہ معلوم تھا کہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار ہیں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر و اجزا و اسباب کو اپنے شکار (خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد) کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بد نصیب شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مربی تصور کرتا ہے۔ مگر

"من صدائے شاعر فرداستم"[1]

"ناامیدستم ز یاران قدیم طورِ من سوزد کہ می آید کلیم"[2]

نہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے اگے گا ضرور اگے گا اور علی الرغم مخالفت بار آور ہوگا مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے الحمد للہ

(خط کا یہ تمام صفحہ پرائیویٹ ہے۔ بہتر ہو کہ اسے تلف کر دیا جائے)

زیادہ کیا عرض کروں

"نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سرِ رہ گزار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا"

---

[1] میں آنے والے کل کے شاعر کی آواز ہوں۔
[2] میں پرانے دوستوں سے ناامید ہوں میرا طور جل رہا ہے کہ کلیم آ رہا ہوگا

علیحدہ بحث ہے اور وحدۃ الوجود کا مسئلہ اس میں ضمناً آگیا ہے۔ اس مسئلے کے متعلق جو کچھ میرا خیال ہے وہ میں نے پہلے خط میں عرض کر دیا تھا۔ فارسی شعراء نے جو تعبیر اس مسئلے کی کی ہے اور جو نتائج اس سے پیدا کیے ہیں ان پر مجھے سخت اعتراض ہے۔ یہ تعبیر مجھے نہ صرف عقائد اسلامیہ کے مخالف معلوم ہوتی ہے بلکہ عام اخلاقی اعتبار سے بھی اقوام اسلامیہ کے لیے مضر ہے۔ یہی تصوف عوام کا ہے اور شیخ علی حزیں نے بھی اسی کو مدنظر رکھ کر کہا تھا کہ تصوف برائے شعر گفتن خوب است۔ لیکن حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیونکر مخالف ہو سکتا ہوں کہ خود سلسلۂ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے تصوف کا لٹریچر کرائسٹ سے دیکھا ہے بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اس میں داخل کر دیے ہیں۔ غیر اسلامی عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا ہو وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ مخالف انھیں غیر اسلامی عناصر کی وجہ سے ہی مغربی محققین نے تمام تصوف کو غیر اسلامی قرار دے دیا ہے اور یہ حملہ انھوں نے حقیقت میں مذہب اسلام پر کیا ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ تصوفِ اسلامیہ کی ایک تاریخ لکھی جائے جس سے معاملہ صاف ہو جائے اور غیر اسلامی عناصر کی تقطیع ہو جائے۔ سلاسلِ تصوف کی تاریخی تنقید بھی ضروری ہے اور زمانہ حال کا علم النفس جو مسالہ تصوف پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر رہا ہے اس کا بہتر سے بہتر علاج ہونا ضرور ہے میں نے اس پر کچھ لکھنا شروع کیا ہے مگر میری بساط کچھ نہیں۔ یہ کام اصل میں کسی اور کے بس کا ہے۔ میں صرف اس قدر کام کر سکوں گا کہ جدید مذاق کے مطابق تنقید کی راہ دکھلا دوں۔ زیادہ تحقیق و تدقیق مجھ سے زیادہ واقف کار لوگوں کا کام ہے۔

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل، نہ کہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل جیسا کہ آپ نے لکھا ہے۔ میں نے ان کو خود پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لیے دیا ہے۔ یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدۃ الوجود سے تعلق رکھتے ہیں جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے کوئی اختلاف نہ رہے کیونکہ مکتوبات میں ایک آدھ جگہ مسئلہ مذکور کی ایک ایسی تعبیر بھی ہے

بار بار، تکرار

ہے اسی واسطے میں نے غالباً کا لفظ لکھ دیا تھا۔ بہر حال جہاں جہاں یہ لفظ میں نے استعمال کیا ہے اس سے مراد تشخصِ ذاتی یا احساسِ نفس ہے۔ انگریزی لفظ INDIVIDUALITY کا یہ ترجمہ ہے۔ ہماری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے جہاں تک مجھے علم ہے، کوئی ایسا لفظ نہیں جو شعر میں کام دے سکے۔ "تشخص" یا "تعین" وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ مفہوم ہے مگر یہ دونوں الفاظ شعر کے لیے موزوں نہیں۔ "انا" یا "انانیت" بھی ایسے ہی الفاظ ہیں۔ لفظ خودی میں نے مجبوراً اختیار کیا ہے اگر کوئی اور لفظ شعر میں کام دے سکتا تو میں اس لفظ کو خودی پر یقینی ترجیح دیتا۔ بہر حال میرا مقصود آپ کو اپنے مذہب میں منتقل کرنا نہیں اپنے خیال کا واضح کرنا ہے۔ آپ اپنے خیال پر قائم رہیں۔ میں نے چونکہ اس خیال کو ہندوستان کی آئندہ نسلوں کے لیے مضر سمجھا ہے، اس واسطے مجبوراً اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم سب کے لیے شاید بہترین نظارہ ہے

خواجہ حسن نظامی اگر دکن میں ہوں تو میری طرف سے سلام عرض کریں

بانی دعا ہے اور بس اللہ تعالیٰ عنقریب وہ وقت لائے گا جس کا آپ کو اور آپ کے احباب کو انتظار ہے۔

لاہور تو میں آپ کو ضرور کھینچوں مگر میرا جذبِ دل ایک دفعہ فیل ہو چکا ہے اس کے علاوہ اس گرمی میں آپ کو لاہور کھینچنا گناہِ عظیم ہے میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو کوئی لاہور سے باہر کھینچ لے۔ شملہ سے بار بار خطوط آرہے ہیں مگر زنجیروں سے آزادی کی صورت نظر نہیں آتی۔ کاش میں مہاراجہ کشن پرشاد ہوتا کہ جہاں چاہتا چلا جاتا۔ والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

لاہور

(عکس)

(اقبال بنام شاد)

ے آج تک تصوفِ وجودیہ کے مخالف رہے ہیں۔ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی ہندوؤں
یں کشن کی گیتا (جہاں تک میں سمجھتا ہوں) اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی پھر اگر
کوئی شخص تصوفِ وجودیہ کی مخالفت کرے تو اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ وہ تصوف کا مخالف ہے
حقیقی اسلامی تصوف اور چیز ہے تصوف وجودیہ مذہب اسلام سے قطعاً تعلق نہیں رکھتا اور
مذہب ہندو سے گو تعلق رکھتا ہے تاہم ہندوؤں کے لیے سخت مضر ثابت ہوا ہے۔ ہمارے
صوفیا کی کتابوں میں اس امر پر ایک عجیب وغریب بحث موجود ہے کہ "گسستن" اچھا ہے یا
"پیوستن"۔ اور صوفیا کا اس میں اختلاف ہے۔ اسلامی تصوف کا دار ومدار "گسستن" پر ہے تو
تصوفِ وجودیہ کا "پیوستن" یا فنا پر۔ اگر میں نے "گسستن" کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی
ں سے جن لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا ہے وہ خود اپنے تصوف کے لٹریچر سے
آگاہ نہیں معلوم ہوتے تصوف وجودیہ کے متعلق خود نبی کریمؐ کی ایک پیش گوئی موجود
ہے جس پر میں نے مفصل بحث کی ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب یہ مضمون شائع ہوگا میرا ذاتی
میلان پیوستن کی طرف ہے، مگر وقت کا تقاضا اور ہے اور میں نے جو کچھ لکھا ہے
اس کے لکھنے پر مجبور تھا۔ حکم کی اطاعت لازم تھی۔ اس سے چارہ نہ تھا۔ دنیا مخالفت کرتی
ہے تو کرے۔ اس کی پروا نہیں۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

ہاں جس شعر کا ذکر آپ نے خط میں کیا ہے[1]

(غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند۔ الخ)

اس میں لفظ خودی میرے خیال میں تشخصِ ذاتی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ اور شعر کا مفہوم
میرے خیال میں یہ ہے کہ واصل باللہ کو اپنی ذات کا احساس نہیں رہتا وہاں سوائے ہستیِ
مطلق کے اور کچھ نہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ خودی بمعنی غرور بھی یہاں سمجھا جا سکتا

---

[1] غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند تو در محال کشیدن میان آب نفس (محسن تاثیر)

(جو وحدت کے سمندر میں غرق ہے وہ خودی کا دم نہیں بھرتا جیسے کہ پانی کے اندر سانس لینا محال ہوتا ہے)

دیباچہ اسرارِ خودی، طبع اول۔ اقبال کو لفظ خودی بمعنی ذات کے معنیٰ میں تاثیر کے اس شعر

سے ملا تھا اور اس سے انھوں نے استفادہ کیا۔ (اقبال بنام شاد)

حافظ پر ایک طویل مضمون شائع ہونے کا مجھے بھی احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ
اس کو باحسنِ وجوہ اتمام کر سکتے ہیں۔ آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان عقلی و
اخلاقی ایسا مضمون لکھنے کے لیے ضروری ہے، وہ سب آپ میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا
یا باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت SUBTLE
طریق تنسیخ کا ہے۔ اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کر سکتی ہیں، جن کی فطرت گوسفندی
ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعراء ہیں جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف
مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلانِ طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے
کچھ عرصہ تک اس کا نشوونما نہ ہونے دیا، تاہم وقت پا کر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح
سے ظاہر ہوا، یا بالفاظِ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت
وجود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دلفریب طریقوں سے شعائرِ اسلام
کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے اگر
اسلام افلاس کو برا کہتا ہے، تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام
جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے، تو شعرائے عجم اس شعارِ اسلام میں کوئی
اور معنی تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً

غازی ز پئے شہادت اندر تگ و پوست[۱]
غافل کہ شہیدِ عشق فاضل تر ازوست
در روزِ قیامت این بآن کے ماند
این کشتۂ دشمن است و آن کشتۂ دوست

۱؎ غازی شہادت کے لیے تگ و دو کر رہا ہے مگر اسے یہ خبر نہیں کہ شہیدِ عشق کا مرتبہ اس سے افضل ہے۔ قیامت کے دن یہ اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے یہ دشمن کے ہاتھوں مارا گیا اور وہ دوست کے ہاتھوں۔

وہ تمام نمبر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ مضامین کچھ ایسی لوگوں کے اعتراضات کا جواب ہے اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں۔ والسلام

صوفی صاحب کا رسالہ تذہوسی بیخودی میں نے نہیں دیکھا اگر آپ کو ضرورت نہ ہو تو ارسال فرما دیجیے۔ میں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال لاہور

(عکس) (خطوطِ اقبال)

سیّد فصیح اللہ کاظمی کے نام

لاہور ۴؍ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ ''پیام امید'' ملا۔ یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ واپس ارسال خدمت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ ایک اور نمبر ارسال کرتا ہوں۔ میں نے ان دونوں پر حاشیے مختصر لکھ دیے ہیں۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہیں گے تو آپ کو ان نوٹوں سے مدد ملے گی اور تلاش سند کی زحمت نہ اٹھانا پڑے گی۔

تصوف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے اسی واسطے میں نے ان کے خلاف لکھا ہے مجھے امید تھی کہ لوگ مخالفت کریں گے اور گالیاں دیں گے لیکن میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں شاعری میرے لیے ذریعۂ معاش نہیں کہ میں لوگوں کے اعتراضات سے ڈروں آخر میں انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ممکن کیا یقینی ہے۔ نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے نہ زبان دانی کا

افسوس کہ مثنوی کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ پانچ سو کاپیاں شائع ہوئی تھیں

ہے۔ یہ کتاب کمیاب ہے، مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کیے اور شاہ جہانگیر اشرف کی وفات کے کس قدر عرصہ بعد۔[۹] شاہ جہانگیر اشرف، حافظ کے ہمعصر تھے اور جامع ملفوظات لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر اشرف حافظ کو ولی کامل تصور کرتے تھے۔ اور وہ حافظ سے ہم صحبت رہے ہیں۔ اس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں۔

مولانا اسلم جیراجپوری نے ایک کتاب "حیات حافظ" نام لکھی ہے۔ آسانی سے مل جائے گی۔ اسے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے، اور نہیں تو مأخذ معلوم ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھیے۔ مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اس وقت اسلامی دماغ کے سامنے تھے؟ مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی؟ پھر ان سب باتوں کی روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجیے۔ تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے، جس نے لمعات میں فصوص الحکم محی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں۔ اس پر میں ان شاء اللہ مفصل لکھوں گا) اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اسے صوفی سمجھا جائے) یہ حیرت کی بات ہے کہ تصوف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی، تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے، ان کے نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شے ہو جاتی ہے اور ترک دنیا موجبِ تسکین ـــــ اس ترک دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو ان کو تنازع للبقا میں ہو چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے کہ ان کے ادبیات کا انتہائی کمال لکھنؤ

---

[۹] لطائف اشرفی ملفوظات سید اشرف جہانگیر سمنانی ان کے مرید عبد الرزاق نسی نے جمع کیے ہیں جو ان کے ساتھ برسوں تک رہے ہیں۔

سراج الدین پال کے نام

لاہور

۱۹ر جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی! السلام علیکم

صیام کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق بلکہ آپ کے مضمون کا آخری فقرہ میں نے سب سے پہلے پڑھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ باب اِفعال کا ایک خاصہ سلبِ ماخذ ہے، یہ معلوم کر کے بڑی مسرّت ہوئی کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں، تطبیقوں میں تمام بوڑھے فطری کمزور اور عورتیں شامل ہیں۔ ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اُٹھ گیا ہے۔ اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں، جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں۔ کل میں ایک صوفی مفسر قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا، لکھتے ہیں " خلق الارض والسمٰوات فی ستۃ ایام[1]"، میں ایام سے مراد تنزلات ہیں، یعنی فی ستۃ تنزلات ہیں۔ کم بخت کو یہ معلوم نہیں کہ عربی زبان میں " یوم " کا یہ مفہوم قطعاً نہیں، اور نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق بالتنزلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے مخالف ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔ کاش کہ مولانا نظامی[2] کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔

---

[1] اس نے زمین و آسمان کو چھ دنوں میں بنایا (قرآن)

[2] مولانا نظامی گنجوی کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے   اے بہ سراپردہ یثرب بخواب   خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(ترجمہ) اے سراپردۂ یثرب (مدینہ) میں سونے والے، اب اٹھیے کہ مشرق و مغرب خراب ہو گئے۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام

لاہور ۵ جنوری ۱۶ء

سرکارِ والا تبار تسلیم مع التعظیم

محبت نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ الحمدللہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے اور خلوص وہ چیز ہے کہ اُس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصودِ اعلیٰ و اسنیٰ ہے۔ دل تو بہت عرصہ سے آرزومندِ آستاں بوسی ہے مگر کیا کیا جائے ایک محبوں اور سو زنجیریں۔ تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفرِ حیدر آباد کا کر لیا تھا مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی خاموش رہا۔ اب سرکار مع الخیر پھر حیدر آباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں گا۔ باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں گو یہ ممکن ہے کہ میرے حیدر آباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ رہے

حافظ جماعت علی شاہ صاحب کو میں بہت عرصہ سے جانتا ہوں وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں۔ میں اُن کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں۔ ایک دفعہ بنگلور میں اُن کی وجہ سے بہت فساد ہوئے کیونکہ ان کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں اُن کے حالات بلا رُو رعایت لکھوں تاکہ فساد رفع ہو، میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا الحمدللہ کہ وہ فساد رفع ہو گیا اور حافظ صاحب مع اپنے مُریدین کے وہاں سے رخصت ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں بے اعتنائی اِن لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں۔ جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں اِس طرزِ عمل کا مفہوم

وہ مسئلہ نظم کیا، جس کے رو سے مسلمانوں پر اس دشمن پر حملہ کرنا حرام ہے جو صلح کی امید میں اپنے حصار وغیرہ گرا دے۔ اس مسئلے کا ذکر کر کے اس کی حقیقت اور فلسفہ لکھا ہے کہ شرع نے کیوں ایسا حکم دیا ہے۔ عجیب عجیب باتیں ذہن میں آتی ہیں، مگر قلب کو یکسوئی میسر نہیں۔

آپ نے سعادت ملنوی کی۔ خوب کیا۔ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ مولوی اشرف علی جہاں تک مجھے معلوم ہے وحدت الوجود کے مسئلے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے ان کی کتاب عمدہ ہوگی۔

ان شاء اللہ کپورتھلے اور جالندھر جانے کے لیے وقت نکالوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

(مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں)

مولانا گرامی کے نام

لاہور ۸ فروری ۱۷ء

ڈیر گرامی السلام علیکم

شریعت اسلامیہ کا ایک مشہور مسئلہ ہے کہ جنگ کے دوران میں اگر دشمن صلح کے خیال سے اپنے قلعے اور حصار توڑ ڈالے اور اپنی افواج کو پراگندہ کر دے اور بعد میں اس کا خیال صلح غلط ثابت ہو یعنی صلح نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس پر حملہ نہ کریں جب تک کہ وہ بار دیگر اپنی فوجوں کو مرتب نہ کر لے اور اپنے قلعوں کو تعمیر نہ کر لے۔ اس مسئلے اور اس کے مفہوم کو میں نے مندرجہ ذیل اشعار میں نظم کیا ہے بنظر اصلاح

نے سُنا ہے پیغامِ محبت کے جواب میں جو نظم میں نے لکھی تھی وہ اور ہے مدّت ہوئی مخزن[1] میں شائع ہوئی تھی۔

مہدی و مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں ان پر علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے۔ اُن کی رائے میں یہ تمام احادیث کمزور ہیں۔ جہاں تک اصولِ فنِ تنقیدِ احادیث کا تعلق ہے میں بھی ان کا ہمنوا ہوں، مگر اس بات کا قائل ہوں کہ مسلمانوں میں کسی بڑی شخصیت کا ظہور ہوگا۔ احادیث کی بنا پر نہیں بلکہ اور بنا پر میرا عقیدہ یہی ہے۔

ماجد علی صاحب کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری، نہ اس فقرہ کا مطلب پوری طرح ذہن میں آیا ہے کہ کچھ عرض کر سکوں۔ جو سوال آپ نے مجھ سے کیا ہے اس سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ CONSISTENCY کیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خود نقیضین کی تحلیل اور ہم آغوشی ہو۔ یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے جس کے متعلق اس خط میں لکھنا آسان نہیں اس کا فائدہ کچھ نہ ہوگا آپ میرا مفہوم نہ سمجھ سکیں گے

---

[1] اقبال کی ابتدائی دور کی غزلوں میں سے ایک غزل (بانگِ درا صفحہ ۱۱۲) کا مقطع ہے

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں   اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

اسی غزل کا ایک اور شعر تھا جو بانگِ درا کی طباعت کے وقت حذف کر دیا گیا۔

مسافر دل نہ اے خدا کا ر دل دیکھ   نہ انتظارِ مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

برقی صاحب نے مسافر دل کی ترکیب سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف اشارہ ہے (مؤلف)

[2] ماجد علی غلط ہے۔ مکتوب الیہ نے مولوی عبدالماجد دریابادی کی ایک کتاب لیڈرس کی نفسیات، کے اردو ترجمے (فلسفۂ اجتماع) کا حوالہ دے کر سوال کیا تھا (بشیر احمد ڈار)

فرمانِ مصطفیٰؐ است کہ من قالَ لا اِلٰہ

از اہلِ جنّت است و علی الرّغمِ بُوذر است [1]

اگر لاہور کا قصد حقیقت میں ہے تو آ چلیے۔ یہاں سے جالندھر چلیں گے وہاں آپ کو لنگڑا بھی مل جائے گا اور کا لنگڑا بھی [2]

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی)

(ترجمہ) رسول اللہؐ کا فرمان ہے کہ جس نے لا الٰہ کہا وہ اہلِ جنت میں سے ہے چاہے ابوذر غفاری اسے پسند نہ کریں۔

[1] یہ تلمیح ایک حدیثِ نبوی کی طرف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف فرما تھے، آپؐ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اعلان کر دو کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (جو کوئی کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہے گا وہ جنت میں داخل ہو گا) حضرت ابوہریرہؓ اس حدیثِ مبارک کا اعلان کرنے کے لیے خوشی خوشی چلے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ راستے میں ملے اور جب انھیں بتایا کہ اس حدیث کا اعلان کرنے جا رہے ہیں تو اُنھوں نے یہ کہہ کر روکا کہ یہ بات سن کر لوگ اعمالِ حسنہ سے غافل ہو جائیں گے۔ مگر حضرت ابوہریرہؓ نے اعلان پر اصرار کیا تو روایت یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے انھیں مارا۔ اقبال نے اِسی کو ایک مصرع میں نظم کر دیا ہے کہ "از اہلِ جنّت است و علی الرّغمِ بُوذر است"! [مرتب]

[2] لنگڑا آم کی ایک قسم ہے اور کا لنگڑا راگ ہے۔ [عبداللہ قریشی]

گزار کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں میں پنجاب میں اوّل رہا ہوں انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا۔ واپسی پر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفہ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کا ممتحن مقرر کیا گیا اور اب بھی ہوں۔ امسال الہ آباد یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے دو پرچے میرے پاس تھے۔ پنجاب میں بی۔ اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم اے فلسفے کے دو پرچے میرے پاس ہیں۔ علاوہ ان مضامین کے میں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علم اقتصاد، تاریخ، اور انگریزی بی۔ اے اور ایم۔ اے کی جماعتوں کی پڑھائی ہے اور حکامِ بالا سے تحسین حاصل کی ہے۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصے سے جاری ہے علم الاقتصاد پر اُردو میں سب سے پہلی مستند کتاب میں نے لکھی۔ انگریزی میں چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصل رسالہ فلسفۂ ایران پر بھی لکھا ہے۔ جو انگلستان میں شائع ہوا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود نہیں ورنہ ارسالِ خدمت کرتا۔

باقی جو کچھ میرے حالات ہیں وہ سرکار پر بخوبی روشن ہیں، اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہِ اسلام میں اس وقت ایک مفصل کتاب بزبان انگریزی زیرِ تصنیف ہے جس کے لیے میں نے مصر و شام و عرب سے مسالہ جمع کیا ہے، جو اِن شاء اللہ بشرطِ زندگی شائع ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیلِ مسائل کے اعتبار سے ایسا ہی بناؤں جیسی کہ امام سَرخسی کی مبسوط ہے جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

بندۂ قدیم مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

لہ علامہ اقبال کے اس بیان کا مقابلہ ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کے خط موسومہ محمد الیاس برنی سے کیجیے

میری امت میں تین قرنوں کے بعد سمن (ویظہر فیہم السمن) کا ظہور ہو گا۔ میں نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع کیے تھے جن کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے، جو وسط ایشیا کی اقوام میں مسلمانوں سے پہلے عام تھی، ائمۂ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہیں کھلتا افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے میں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلۂ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ (سمنت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ نقشبند[1] اور مجدد[2] سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگیں ہے، یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں میں خود بیعت رکھتا ہوں، حالانکہ حضرت محی الدین[3] کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مولف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو میسگنان[4] ہے جنہوں نے فرانسیسی زبان میں طواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ ان شاء اللہ "معارف[5]" کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرار خودی کا

---

[1] خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ

[2] شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی سرھندیؒ

[3] حضرت محی الدین عبدالقادر گیلانی

[4] فرانسیسی مستشرق لوئی ماسینیوں جس نے منصور حلاج کی کتاب الطواسین کو ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا۔

[5] رسالہ معارف اعظم گڑھ

دوسرے حصّے میں عالمگیر کی ایک حکایت ہے۔ اس میں یہ شعر ہے:

این چنین دل خود نما و خود شکن[1]
دارد اندر سینۂ مومن وطن

مگر ایک اور بیخودی ہے جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ جو DYRIC POETRY کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔

(۲) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلامیہ اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔

پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف اور جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور[2] بس۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیّلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپروا ہو جائے اور محض رضا و تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوّف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتّہ عجمی تصوّف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اُوپر کر چکا ہوں۔ خواجہ حافظؒ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔ آیاتِ قرآنی جو آپ نے لکھی ہیں زیرِ نظر ہیں۔ میں ان کے وہی معانی سمجھتا ہوں جو آپ کے ذہن میں ہیں۔ حیاتِ دُنیا بیشک لہو و لعب ہے میں نے بھی پہلے حصہ میں (اسرارِ خودی) یہی لکھا ہے۔

---

[1] ایسا خودنما خودشکن دل مومن کے سینہ میں گھر رکھتا ہے۔

[2] اقبال نے اسی طرح لکھا ہے (اور) کا ہم نے اضافہ کیا ہے۔

کوئی نظم یا نثر اسلامی لٹریچر میں آج تک نہیں لکھی گئی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

گرامی صاحب تو امام غائب ہو گئے، معلوم نہیں اس غیبتِ صغریٰ کا زمانہ کب ختم ہوگا۔

خاکسار

محمدؐ اقبال

(مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۳ر نومبر ۱۷ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوتِ رُوح اور اطمینانِ قلب کا باعث ہے۔

میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد انھیں نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامے میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں، جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسُول آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون قرنی[1] والی حدیث یاد ہوگی اس میں نبی کریمؐ فرماتے ہیں کہ

---

[1] حدیث نبوی ہے: خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ ثم یظہر الکذب او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ: یعنی سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد جو لوگ آئیں، پھر ان کے بعد جو لوگ آئیں، اور اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا۔)

دوسری روایت میں "ثم یظہر فیہم السمن" ہے اور اس سے اقبال نے رہبانیت مراد لی ہے۔ [رح]

فہرست حواشی

مولوی نجم الغنی رامپوری کے نام

لاہور ۱۴ دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ حکیم صاحب۔ السلام علیکم

اخبار الصنادید کی دو جلدوں کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے پہلی جلد کو بالخصوص نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا۔ قومِ افغان کی اصلیت پر آپ نے خوب روشنی ڈالی ہے۔ کشافرہ غالباً اور افاغنہ یقیناً اسرائیلی الاصل ہیں قاضی امیر احمد شاہ رضوانی جو خود افغان ہیں ایک دفعہ مجھ سے فرماتے تھے کہ لفظ "فغ" قدیم فارسی میں بمعنی "بت" آیا ہے اور افغان میں الف سالبہ ہے۔ چونکہ ایران میں بود و باش رکھنے کے وقت افغان بت پرست نہ تھے اس واسطے ایرانیوں نے انہیں افغان کے نام سے موسوم کیا ہے۔

میرے خیال میں حال کی پشتو زبان میں بہت سے الفاظ عبرانی[1] اصل کے موجود ہیں۔ اگر تحقیق کی جائے تو مجھے یقین ہے نہایت بار آور ہوگی۔ آپ کا طرزِ تحریر نہایت سادہ اور موثر ہے اور بہ حیثیت مجموعی آپ کی تصنیف تاریخ کا عمدہ نمونہ ہے۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال بیرسٹرایٹ لا

(انوارِ اقبال)

---

[1] عبرانی یعنی HBBREW جو سامی خاندانِ السنہ سے تعلق رکھتی ہے۔

(پروفیسر سلاح الدین الیاس) برنی (۱۸۹۰ء-۱۹۵۸ء)

یہ ۱۹ر اپریل ۱۸۹۰ء میں قصبہ خورجہ ضلع بلند شہر۔ یو۔ پی (بھارت) میں پیدا ہوئے ۱۹۰۸ء میں ام۔ اے۔ او کالج (M A O) علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ ۱۹۱۲ء میں ایم۔ اے ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے اور وہیں شعبۂ معاشیات میں لیکچرار کی حیثیت سے ۱۹۱۳ء تک کام کرتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۷ء تک ناظم دارالترجمہ اردو حیدرآباد کے عہدہ پر فائز رہے ۱۹۵۴-۵۵ء میں نواب میر عثمان علی خاں، نظام حیدرآباد کے پوتوں مکرم جاہ اور مفخم جاہ کے اتالیق رہے۔

ان کی تصنیفات وتالیفات اور تراجم کی فہرست حسب ذیل ہے:-

(۱) اسرار حق۔ (۲) تسبیل الرجیل (۳) مشکوٰۃ الصلوٰۃ (۴) ضرب اللہ (۵) تحفۂ محمدی (۶) ہدایت اسلام (۷) مفتوح الحکم (۸) فتوحات قادریہ (۹) عطیہ قادریہ (۱۰) سلطان مبین (۱۱) مکاتیب المعارف (۱۲) مراۃ الحمید (جلد اوّل ودوم) (۱۳) قادیانی مذہب (۱۴) مقدمہ قادیانی مذہب (۱۵) نسخہ قادیانی مذہب (۱۶) قادیانی قول وفعل (۱۷) قادیانی غلط بیانی (۱۸) قادیانی موومنٹ (ENGLISH) (۱۹) معارف ملت (چار جلدیں)

(۲۰) جذبات فطرت (۴ جلدیں) (۲۱) مناظر قدرت (۴ جلدیں) (۲۲) ذکر اللہ (۲۳) علم المعیشت (۲۴) اصول معاشیات (۲۵) مشیت الہند (۲۶) مالیات

(۲۷) مقدمہ المعشیات الہند (TRANSLATION OF MOORELAND'S INTRODUCTION TO ECONOMICS)

(۲۸) معاشیات ہند (TRANSLATION OF MUKERJEE'S INDIAN ECONOMICS)

بدھ مت دنیا کے عظیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ اور اس نے فنونِ لطیفہ خصوصاً فن تعمیر، سنگ تراشی اور سنسکرت پالی چینی اور دیگر زبانوں کے ادبیات پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

اقبال گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گوتم بدھ کی رہبانیت انسانی مفادوں پر قائم ہے اور اس سے انسانوں کی غمخواری کا سبق ملتا ہے۔ "جاوید نامہ" میں زندہ رود" (اقبال) کی ملاقات وادی "طواسین" (پیغمبروں کی وادی) میں سب سے پہلے گوتم بدھ سے ہوتی ہے۔

ماخذ

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیہ جلد ۳ ص ۳۶۹ - ۱۴۳ ایڈیشن ۱۹۸۲ء

۲۔ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال ص ۹۰

۳۔ سید مظفر حسن برنی۔ محب وطن اقبال ص ۸۷

(خواجہ) کمال الدین (ولادت ۱۸۷۰ء)

خواجہ کمال الدین مرحوم لاہور کے ایک معزز کشمیری خاندان میں ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں فورمین کرسچین کالج سے بی اے اور ۱۸۹۸ء میں لاء کالج سے وکالت کا امتحان پاس کر کے پشاور میں پریکٹس شروع کی مگر ۱۹۰۲ء میں لاہور واپس آگئے۔

آپ کو تبلیغ اسلام کا شوق ہی نہیں جنون تھا ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۱ء تک پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہر حصے میں تبلیغی لیکچر دیئے۔ ۱۹۱۲ء میں انگلستان روانہ ہوگئے وہیں ۱۹۱۳ء میں ووکنگ مشن WOKING MISSION قائم کیا اور ایک رسالہ اسلامک ریویو ISLAMIC REVIEW جاری کیا۔

انھوں نے اردو اور انگریزی میں ستر اسی کے قریب مفید کتابیں تصنیف کیں۔

ماخذ

محمد عبداللہ قریشی اقبال بنام شاد ص۱۴۷-۱۴۸

(مرزا) سلطان احمد (۱۸۵۰ - ۱۹۳۱ء)

خان بہادر مرزا سلطان احمد فرقہ احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد کے فرزند تھے۔ ۱۸۵۰ء میں بمقام قادیان (ضلع گورداس پور) پیدا ہوئے تعلیم سے فارغ ہو کر محکمہ مال سے وابستہ ہوئے۔ نائب تحصیلدار سے ترقی کر کے پہلے تحصیل دار اور بعد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ آخر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے عہدے سے پینشن لی۔ ایک عرصہ تک ریاست بہاول پور میں وزیر مالیات بھی رہے۔ اردو، فارسی اور عربی میں آپ کو خاص دسترس تھی۔ نکتہ سنجی اور مضمون آفرینی میں خداداد ذہانت پائی تھی۔ ان کے عالمانہ اور دقیق مضامین بہت مشہور ہوئے۔ متفرق مضامین کے بارہ مجموعے ربوہ کی مرکزی لائبریری میں موجود ہیں۔ تقریباً ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں سے ایک کتاب "فنون لطیفہ" انھوں نے ۱۹۱۲ء میں اقبال کے نام معنون کی تھی۔

اقبال نے مثنوی "اسرار خودی" کے جس تبصرے کا ذکر کیا ہے وہ مرزا صاحب نے اس وقت لکھا تھا جب وہ سونی پت ضلع رہتک میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ یہ عالمانہ تبصرہ مجلہ "اقبال" لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے مرزا صاحب کی بالغ نظری کا ثبوت ملتا ہے۔

مرزا صاحب کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہوا۔

ماخذ

عبداللہ قریشی: اقبال بنام شاد ص ۱۴۲ - ۱۴۴

ضمیمہ

متعلق لکھا ہے۔

"اس ڈرامے میں شاعر نے حکیم فاوسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آسکتا

اقبال کو "فاوسٹ" سے گہری دلچسپی تھی چنانچہ ڈاکٹر عابد حسین نے "فاوسٹ" کے پہلے حصہ کا ترجمہ شائع کیا تو اقبال نے خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر صاحب کتاب کے دوسرے حصے کا ترجمہ بھی کریں۔

"پیام مشرق" میں "جلال و گوئٹے" کے عنوان سے جو نظم ہے اس میں اقبال نے رومی اور گوئٹے دونوں کی حقیقت بینی اور روحانی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان دونوں کے متعلق اقبال نے کہا ہے ؎

نیست پیغمبر و لے دارد کتاب!

(پیغمبر نہیں ہے مگر (الہامی) کتاب رکھتا ہے)

۱۸۱۹ء میں گوئٹے کا WEST-OSTLICHER DIVAN

(DIVAN OF WEST AND EAST)

شائع ہوا۔ گوئٹے پر اسلام خصوصاً فارسی شاعری کا گہرا اثر تھا۔ جس کا مظہر اس کی لاجواب نظموں کا یہ مجموعہ ہے۔ اس میں مغرب اور مشرق کے فکری امتزاج کی ایک غیر معمولی کوشش ملتی ہے۔ اقبال نے اس کے جواب میں "پیام مشرق" لکھی تھی۔ گوئٹے کی نظم "نغمۂ محمد" جو اس نے اپنی جوانی کے زمانے میں لکھی تھی۔ رسول اکرم کی ذات سے محبت اور عقیدت کا ایک ایسا نمونہ پیش کرتی ہے۔ جس کی نظیر اردو، فارسی اور عربی کے نعتیہ کلام میں بھی مشکل سے ملے گی۔ اقبال نے اس نظم کا فارسی میں آزاد ترجمہ کیا ہے جو "جوئے آب" کے عنوان سے پیام مشرق" میں شامل ہے۔ اقبال کی تصانیف میں گوئٹے کا ذکر اکثر آتا ہے